مشکلۃ الفقر و کیف عالجہا الاسلام
اسلام میں
غربت کا علاج
مُصنّف
پروفیسر ڈاکٹر یوسف القرضاوی
مُترجم
علامہ نصیر احمد
علمی پبلشرز لاہور

مشكلة الفقر وكيف عالجها الإسلام

مُصنّف

پروفیسر ڈاکٹر یوسف القرضاوی

مُترجم

علامہ نصیر احمد

علمی پبلشرز

زبیدہ سنٹر 40-اردو بازار لاہور

السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نام کتاب ـــــ اسلام میں غربت کا علاج

مصنف ـــــ پروفیسر ڈاکٹر یوسف القرضاوی

مترجم ـــــ علامہ نصیر احمد

زیر اہتمام ـــــ حافظ محمد وسیم شرف قادری

سرورق ـــــ میاں آصف محمود

قانونی معاون ـــــ چوہدری محمد حسین بھٹہ ایڈووکیٹ لاہور ہائی کورٹ

تعداد ـــــ 1100

ہدیہ ـــــ 150:00 روپے

ناشر ـــــ علمی پبلشرز زبیدہ سنٹر 40- اردو بازار لاہور

شفاء القرآن پبلی کیشنز۔ خضر روڈ اپر مال لاہور

ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

علمی پبلشرز زبیدہ سنٹر 40- اردو بازار لاہور
عیدگاہ اصغر مال روڈ راولپنڈی

مکتبہ غوثیہ محلہ فرقان آباد نزد پرانی سبزی منڈی کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
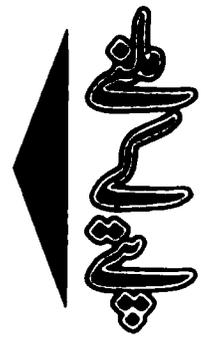
فقر و افلاس انسانی زندگی کا قدیم ترین نازک مسئلہ ہے ، تاریخ کے ہر دور میں یہ موضوع بحث رہا ۔ تمام مذاہب نے اپنے نقطۂ نظر کے تحت اس کا علاج پیش کیا ہے ۔ خاص اسی مسئلہ کے حل کے لئے بڑی بڑی معاشی تنظیمات اور سیاسی تحریکات نے جنم لیا ۔ اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ اہم سے اہم تر بنتا چلا جا رہا ہے ۔ مذہبی پیشوا ہوں یا سیاسی رہنما ۔ شاعر ہوں یا ادیب آج روٹی اور روزی سب کے اعصاب پر سوار ہے ۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ لاکھوں آدمی غریبی دور کرنے کے نام پر امید بنے ہوئے ہیں ، غریبی کا علاج اب ایک معمہ بن گیا ہے ۔ جتنا زور اس کے دور کرنے پر دیا جا رہا ہے ۔ اسی مناسبت سے یہ بڑھتی جا رہی ہے ۔

عالم اسلام کے مشہور مفکر عربی کے صاحب طرز انشاء پرداز علامہ یوسف القرضاوی نے انسانیت کی اس دکھتی رگ کو بڑی مہارت سے پکڑا اور کمال جامعیت کے ساتھ اسکا اسلامی حل پیش کیا ہے ۔ کتاب اتنی دلچسپ اور سیر حاصل ہے اور اپنے اندر اتنی ادبی جاذبیت اور متنوع مضامین کی کشش رکھتی ہے کہ ایک بار شروع کر کے پوری کتاب پڑھے بغیر چھوڑنا مشکل ہے ۔

فاضل مترجم مولانا نصیر احمد صاحب نے اتنا سلیس اور عام فہم ترجمہ کیا ہے کہ ترجمہ اور تصنیف میں فرق کرنا مشکل ہے ۔ حافظ محمد وسیم اشرف ...

یہی آرزو ہے تعلیم قرآن عام ہو جائے
ہر پرچم سے اونچا پرچم اسلام ہو جائے

شفاء القرآن ٹرسٹ

اغراض و مقاصد

★ زیادہ سے زیادہ قرآن مجید کی خوبصورت اشاعت

★ عوام میں قرآن مجید کو درست پڑھنے کا شوق بیدار کرنا

★ قرآن مجید کو سمجھ کر عمل کرنے کا شوق بیدار کرنا

★ قرآن مجید کی بنیادی معلومات پر ریسرچ کرنا۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

یہ چھوٹی سی کتاب ۔ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ اسلامی معاشیات کی کوئی کتاب نہیں ۔ اسلئے کہ یہ مستقل ایک موضوع ہے جس کے لئے علیحدہ تصنیف درکار ہے جس میں انسانی سرگرمی کے لئے دولت کی پیداوار، اور اس کی صحیح تقسیم وخرچ سے متعلق اسلامی نظریے اور اصول پیش کئے جاتے ہیں۔ جن سے اسلام نے دنیا کے تمام سیاسی ومعاشی فلسفوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ منصفانہ اور حکیمانہ طور پر انسانی آزادی، عام خوشحالی اور امن ومساوات کی ضمانت دی! اور دین ودنیا کے درمیان حقیقی توازن برقرار رکھا۔

اسلام کا یہ اقتصادی نظام کس قدر وسعت کا حامل ہے؟ اس کا کچھ اندازہ راقم کو اس وقت ہوا، جب وہ گذشتہ کئی برسوں سے "فقہ الزکوٰۃ" کے موضوع پر تحقیقی کام میں مصروف تھا۔ خدا کا شکر ہے، اسی نام سے یہ مقالہ مکمل (ہو کر اشاعت پذیر) ہوا لیکن اسلام کے معاشی نظام پر تفصیل سے کچھ لکھنے کا اب تک موقع نہ ملا۔ دعا ہے کہ باری تعالیٰ غیب سے اس کے لئے مواقع فراہم کرے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰہِ۔

ہاں اس مختصر سی کتاب میں اسلامی اقتصادیات کے اس مخصوص حصے سے بحث کی گئی ہے جس کا تعلق غریبی اور اس کے علاج سے ہے، جس میں غریبوں کے حقوق

اور خاص طور پر ان وسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جن کے سہارے سماج کا یہ پسماندہ طبقہ چین کا سانس لے سکے۔ اور اسلامی دستور کے زیرِ سایہ اپنی خودی اور عزتِ نفس کی حفاظت کر سکے۔ انسان آج سے نہیں تاریخ کے نامعلوم زمانے سے غربت اور غریبی سے واقف ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے اور غریبوں کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے قدیم زمانے سے مختلف فلسفوں اور مذاہب نے اپنی سی کوششیں کی ہیں، کبھی انھوں نے وعظ ونصیحت کا راستہ اپنا کر خوشیوں سے بھرپور زندگی کا لالچ دلایا، اور کبھی افلاس اور اس کے انجام سے ڈرایا دھمکایا۔ کبھی عالم مثال میں ایسے خاکے بنائے جن میں فقر و ناداری یا کسی قسم کی طبقاتی کش مکش نہ تھی، لیکن ظاہر ہے یہ نقوش کتابوں کے صفحات پر باقی رہے، مگر دھرتی کے حقیقی انسانوں میں کہیں ان کا وجود نہ رہا۔ جمہوریہ افلاطون" (REPUBLIC) کے نام سے مشہور نظریہ اس کی واضح مثال ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چند صدی قبل پیش کیا گیا تھا۔ ایک اور مکمل اباحیت پسند تحریک ایران میں چلائی گئی، لیکن پچھلی تحریکوں سے کہیں زیادہ بے شرمی اور انتہا پسندی کا شکار خود ہوئی، یہ تحریک مزدک (پیدائش ۴۸۷ء) کی پانچویں صدی عیسوی کی تحریک تھی، جس نے دولت اور عورت کو مشترکہ ملکیت قرار دیا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ دور میں غریبی اور معاش کا مسئلہ ہمہ گیر شکل میں ہر کس وناکس کے عقل وشعور پر چھایا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شورش پسند اور سازشی عناصر نے عوام میں انتشار پھیلا کر اپنی لیڈری چمکانے اور اس کی آڑ میں جھوٹی لادینیت پھیلانے کے لئے اس مسئلے کو آڑ بنا لیا ہے، جب کہ اوپر سے فریب کا پردہ ڈال کر

وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ان کا طریق کار کمزوروں کی ہمنوائی اور غریبوں کی حمایت ہے۔ انھیں شہ اسلئے بھی ملی کہ مسلمان بھی اسلامی تعلیمات سے غافل رہنے کی بنا پر ان کے جھوٹے پروپیگنڈے کا شکار ہوئے، اس غلط پروپیگنڈے نے اسلامی نظام کو مسخ کرنے اور اس کے محاسن کو زائل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اس پر مستزاد یہ کہ مسلمانوں کی مایوس طرز زندگی اور پستی و محکومی کے دور سے تعلق رکھنے والی بعض مسلم نام نہاد رہناؤں کی غلط تعبیروں نے اس بگاڑ کو مزید سہارا دیا۔

ایسے حالات میں کسی درجہ اسلامی ہدایات و تعلیمات سے باخبر ہر فرد کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ عام مسلمانوں کو بعثت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس حقیقت سے روشناس کرائے کہ آپ سارے عالم کیلئے ہادی اور رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے خدا نے آپ کو ایسا دستور عطا فرمایا تھا جو فرد و جماعت کی جملہ مشکلات کو حل کر دیتا ہے ماؤف کرنے والی دواؤں کی طرح محض سطحی علاج نہیں کرتا، جس میں تھوڑی دیر کے لئے درد چلا جاتا ہے، لیکن اصل روگ نہیں جاتا۔

غربت و افلاس کے جس علاج کی طرف اس کتاب میں نشاندہی کی گئی ہے، اُسے کتاب و سُنّت اور فقہائے مجتہدین کے مسلمہ اصولوں سے گہرا تقابل کر لینے کے بعد درج کتاب کیا گیا ہے۔ اس لئے بحمد اللہ اس ملامت کا قطعی اندیشہ نہیں کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور ائمہ عظام (رحمہم اللہ اجمعین) کی سمجھ سے ہٹ کر یہ کوئی نیا اسلام ہے، جسے پیش کیا جا رہا ہے۔ ہمیں یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض نام نہاد مستشرقین نے اسلامی دعوت و تبلیغ پر لکھی گئی حالیہ چند کتابوں پر اس قسم کے الزامات عائد کئے ہیں!

کتاب کے مطالعے سے ناظرین کو خود اندازہ ہوگا کہ اسلام شروع سے غربت و افلاس کے

علاج، غریبوں کے حقوق کی حمایت اور ان کی مادی اور بنیادی ضرورتوں میں تعاون
کا قائل رہا ہے۔ اور یہ ایسا امتیاز ہے، جس سے ان مذاہب اور ازموں کا دامن
سدا خالی رہا ہے، جن کا پروپیگنڈہ خود ہمارے ملکوں میں اور دنیا کے دوسرے
ملکوں میں بڑے زور و شور سے جاری ہے۔

اسی طرح ناظرین یہ بھی جان لیں گے کہ اسلام کو کسی دوسرے ازم کا نام
دینا، یا کسی دوسرے ازم کو اسلام کا نام دینا بھی ایک زبردست مغالطہ ہے، چنانچہ یہ
نعرہ بڑا پرفریب ہے کہ اشتراکیت (سوشلزم) اور اسلام میں کوئی فرق نہیں، یا
اسلام سرمایہ دارانہ نظام کو چاہتا ہے! یہ اسلئے کہ دائیں اور بائیں بازو کے دوسرے
سبھی نظریوں اور افکار کے مقابلے میں اسلام کی نگاہیں، دنیائے انسانی کی مادی، روحانی،
مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی غرض جملہ ضروریات پر سب سے زیادہ
گہری اور متوازن ہیں، اس کا تعلق مشرق سے ہے نہ مغرب سے بلکہ اس کا تمام تر
تعلق انسان دوستی اور ربانیت الٰہی سے ہے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشن ہو جائیگا،
اگرچہ اس کو آگ نہ چھوئے، نور پر نور ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے،
اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے۔" (النور: ۳۵)

ہمیں پوری تندہی اور جرأت سے اسلام کے انھیں اساسی اور امتیازی اوصاف
کی طرف لوگوں کو دعوت دینی چاہیئے۔ ہماری نظروں میں دوسرے تصورات
اور افکار کے مقابلے میں، اسلام کی حفاظت عزیز ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ تنہا یہی
ہماری مشکلات کا حل، اور تیرگی کے مقابلے میں، روشنی کی کرن ہے، ورنہ اسکے
سوا فریبی اور فریب خوردہ ذہنیت کے پھیلائے ہوئے دوسرے تمام نظریے اور منصوبے

پریشان خیالات، خام تجربوں، اور جھوٹے خواب سے کسی طرح کم نہیں ہے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان کے پسِ پردہ کسی درجہ میں بھی، بدطینت یہود، بدنہاد کمیونسٹ، اور بدباطن منکرین اسلام کی ریشہ دوانی اپنا کام کر رہی ہے، جن کے متعلق قرآنِ پاک کا فیصلہ ہے:۔

"اور جو لوگ منکر ہیں ان کے کام ایسے ہیں، جیسے صحرا میں ریت، پیاسا اسے پانی جان کر قریب جاتا ہے، لیکن وہاں کچھ ہاتھ نہیں آتا، ہاں خدا کو اپنے قریب پاتا ہے، جو وہیں ان کا حساب بے باق کر دیتا ہے، اسلئے کہ وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

یا ان کے کام ایسے ہیں، جیسے گہرے اندھیرے دریا میں لہر چڑھتی چلی آئے، پھر اس کے اوپر دوسری لہر، اس کے اوپر کالی گھٹائیں، بس ایک کے اوپر ایک ایسی تیرگی کا عالم ہو کہ ہاتھ سجھائی نہ دے، بھلا جسے خدا روشنی نہ دے اسے کہاں سے روشنی مل سکتی ہے۔" (النور: ۳۹-۴۰)

یوسف القرضاوی

بابِ اوّل

غریبی ـــــــــ مختلف مذاہب کی نظر میں

- مسیحی موقف
- جبریہ کا موقف
- خیرات سے غریبی کا علاج
- سرمایہ داروں کا موقف
- سوفسطائی ذہنیت!
- مارکسسٹ کمیونسٹوں کے نزدیک
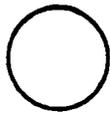
غریبی مختلف مذاہب کی نظر میں

غریبی کے بارے میں قدیم زمانے سے لوگوں کا رجحان مختلف رہا ہے ، آئندہ سطروں میں ہم ایسے چند موقف کی وضاحت کر رہے ہیں :-

مسیحی موقف ترک دنیا اور رہبانیت کے مسیحی ... دعوے داروں کا نظریہ یہ ہے کہ غریبی سے پناہ مانگنے یا اس کا علاج تلاش کرنے کی چنداں حاجت نہیں ، اس لئے کہ یہ خدا کی نعمت ہے ، جسے وہ اپنے مخصوص بندوں کو عطا کرتا ہے ۔ تاکہ ان کا مطمح نظر دنیا نہیں آخرت ہو ، ان کا تعلق صرف باری تعالیٰ سے ہو ، اور ان کا رویہ عام انسانوں کے ساتھ ملنساری اور محبت کا ہو ، ان سرمایہ داروں کا سا نہ ہو جو دولت کمانے کے نشے میں چور ہو کر ہر طرح کے فسق و فجور میں غرق اور کبر و نخوت میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔

کچھ مسیحی ایسے بھی ہیں ، جو سمجھتے ہیں کہ دنیا ایک خرابات اور فتنہ و شر کی آماجگاہ ہے اور خیر کا راستہ بس یہی ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے دنیا خود فنا ہو جائے ، یا کم از کم انسان کا دائرۂ حیات ہی محدود ہو جائے ، کیوں کہ اس کے بغیر نجات ممکن نہیں ۔ چنانچہ ان کے نزدیک دور اندیشی یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی کی ضرورتوں کو جس حد تک کم کر سکتا ہو کم کرتا جائے ، اور صرف اتنے پر گذارہ کرے جتنے سے جسم و جان کا رشتہ باقی رہے ۔

ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مقدس مسیحیوں نے ، بت پرستوں اور مختلف مظاہر کی پرستش کرنے والوں سے اس نظریہ کو مستعار لیا ہے ، اس لئے کہ ان مذاہب کے نزدیک غریبی اس لئے مقدس ہے کہ غربت اور افلاس میں انسانی بدن مشقت

اور سختی کا خوگر ہو جاتا ہے اور یہ امر مسلّم ہے کہ جسمانی مشقت ہی روح کی بالیدگی اور ارتقاء کا پہلا زینہ ہے ۔ لیکن سب سے زیادہ دکھ اس بات کا ہے کہ بھارتی سنتوں، ایران کے منیوں اور مسیحی راہبوں سے متاثر ہو کر بعض مسلمان صوفیا میں بھی یہی رجحان سرایت کر گیا ، جبکہ اسلامی تہذیب و تمدن کو بگاڑنے اور اس کے پاکیزہ چشمے کو گدلا کرنے میں ان ہی نظریوں کا ہاتھ رہا ہے ۔ مسیحیوں کی کسی نام نہاد آسمانی کتاب کا ایک جملہ مجھے یاد ہے کہ جب تم غربت میں مبتلا ہو تو کہو" بہت خوب' نیک لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں ۔ اور جو دولت ملے تو کہو! کسی گناہ کی سزا ہے جو فوراً مل رہی ہے ۔

آپ خود غور کیجئے ، ایسے لوگوں سے غریبی کے کسی خاطر خواہ علاج کا مطالبہ کہاں تک درست ہو گا جو غریبی کو سرے سے کوئی بیماری تسلیم نہیں کرتے ۔

جبریہ کا موقف

جبریہ کا موقف مسیحیوں سے قدرے مختلف ہے ، جہاں تک افلاس و ناداری کا تعلق فتنہ و مصیبت سے ہے ، اس پر انہیں بھی اتفاق ہے ، لیکن ان کا عقیدہ ہے کہ یہ ایک آسمانی فیصلہ ہے جس کے سامنے نہ دوا کارگر ہے نہ کوئی علاج سود مند ، اس لئے کہ غریبوں کی غریبی اور سرمایہ داروں کی فارغ البالی دونوں کا تعلق اللہ

کی مشیت اور تقدیر کے فیصلوں پر مبنی ہے ، خدا چاہتا تو سبھی کو قارون کا خزانہ دیکر امیر و کبیر بنا دیتا ، لیکن اسکی مشیت ہوئی کہ کسی کو کسی پر فوقیت رہے ، کوئی پست رہے کوئی بلند رہے اس لئے اپنی مرضی کے مطابق جسے چاہا آسودہ کر دیا ، جسے چاہا رزق کی تنگی میں مبتلا کر دیا ، اور یہ اسی لئے کہ ہر حال میں ان کی آزمائش کرے۔ اس کی بنائی ہوئی تقدیر میں کوئی رد و بدل نہیں کر سکتا ، اور نہ ہی اس کے فیصلوں پر حرف گیری کا کسی کو حق پہونچتا ہے۔ یہ اور اس جیسے دوسرے خیالات ، جو اگرچہ حق و درست ہیں ، لیکن جبریہ نے ان کا استعمال باطل کے لئے کیا ہے۔

اس فریق کی نظر میں غربت و افلاس کا مجوزہ علاج بس صبر و تلقین کے یہ فقرے ہیں ، جن میں غریبوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ تقدیر پر شاکر رہیں ، آزمائش پر صبر کریں۔ اور جس قدر ملے اسی پر اکتفا کریں ، کیونکہ قناعت لافانی دولت اور کبھی نہ ختم ہونے والا سرمایہ ہے۔ اور بقول ان کے قناعت کا مفہوم یہ ہے کہ بھلی بری جسطرح کٹ رہی ہو ، آدمی اس پر خوش رہے۔

مگر حیرت ہے کہ جبریہ کا یہ فرقہ سرمایہ داروں اور ان کے بے جا اسراف و فضول خرچی پر کوئی اعتراض نہیں کرتا ، نہ ہی انھیں کسی قسم کی تلقین کرتا ہے ، ان کا روئے سخن بس غریب ہیں ، اور ان کی نصیحت کا لب لباب بھی اسی قدر ہے کہ : ۔ تن بتقدیر رہو۔ قسمت سے زیادہ کی جستجو نہ کرو۔ بھلا نوشتۂ تقدیر بھی کوئی بدل سکتا ہے ؟

خیرات سے غریبی کا علاج

اس نظریے کے قائل مسئلے کے ایک پہلو میں جبریہ کے حامی ہیں ، یعنی اس فرقے کے افراد غریبی کو مصیبت ضرور خیال کرتے ہیں ، لیکن ان کی نظر میں اس کا علاج ناممکن نہیں ، پھر یہ علاج بھی غریبوں کو محض صبر و رضا کی تلقین کر دینے پر موقوف نہیں

جیساکہ دوسرا فرقہ اس کا قائل ہے، بلکہ یہ ایک قدم آگے بڑھاکر سرمایہ داروں کو بھی ان کی امداد اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کرتے ہیں، ان سے کہتے ہیں کہ خدا کے نزدیک اس کا بڑا اجر ہے، اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنا سخت ناانصافی ہے۔ اور ایسے لوگ برے انجام، اور جہنم کی سزا کے مستحق ہیں۔

لیکن دشواری یہ ہے کہ اپنی اس تجویز میں غریبوں کو دی جانے والی امداد کی وہ کوئی حد مقرر نہیں کرتے، نہ ہی نہ دینے والوں کے لئے سزا تجویز کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے یہاں ایسا کوئی نظم بھی نہیں جس کے ذریعہ امداد کی مطلوبہ رقم مستحقین کو مل جایا کرے۔ ان کا اعتماد صرف لوگوں کے جذبۂ فیاضی اور جزا و سزا کے نجی عقیدے پر ہے اور بس!۔

آج سے بہت پہلے، ماضی میں ایسا وقت ضرور آیا جب کہ سمجھدار طبقہ، جبریہ اور مسیحیوں کے عقیدوں سے متاثر تھا۔ لیکن بعد میں یہ سحر ٹوٹ گیا، اور لوگ اس خیال کے ہو گئے کہ انفرادی خیرات سے غریبی کا انسداد ممکن ہے۔ سخت حیرت ہے کہ عہد وسطیٰ (MIDDLE AGES) کا یورپ بھی اس نظریے سے بری طرح متاثر تھا، جب کہ اس کے اندر شروع دن سے متعدد خامیاں موجود تھیں۔

سرمایہ داروں کا موقف

چوتھا موقف سرمایہ داروں کا ہے۔ یہ طبقہ غریبی کو زندگی کا پیچیدہ اور سنگین مسئلہ تسلیم کرتا ہے، لیکن ان کی نظر میں اس کی تمام تر ذمہ داری غریبوں اور ان کی بھلی بری تقدیر پر عائد ہوتی ہے، وہ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اس کی ذمہ داری مالداروں، حکومت یا کسی اور کے سر ڈالی جائے، یہ اس لئے کہ دولت اور صلاحیت کے استعمال کا اختیار ہر کسی کو حاصل ہے، پھر یہ کیوں کر درست ہوگا کہ کرنی کسی کی ہو

اور باز پرس دوسرے سے کی جائے؟

قارون اس موقف کا سب سے بڑا نمائندہ تھا۔ یہ اسرائیلی تھا، لیکن اپنی قوم کا باغی اور حکومتِ وقت کا وفادار تھا، خدا نے اُسے اتنے خزانے عطا کئے تھے جن کی کنجیاں طاقتور مردوں کی ایک جماعت مشکل سے اٹھا پاتی تھی، تاہم قوم کی زبوں حالی کا اسے کوئی احساس نہ تھا، جب اس کی قوم نے اُسے سمجھایا کہ:۔

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا، وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ، وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (قصص - ۷۷)

(اس خداداد دولت سے) آخرت کمانے کی فکر کر، غور کر، دنیا میں خود تیرا کتنا حصہ ہے؟ خدا نے تجھ پر بہت سارے احسانات کئے ہیں اسی طرح تو بھی لوگوں کے ساتھ بھلائی کر اور فتنہ و فساد سے گریز کر۔ اس لئے کہ خدا کو فسادی سخت ناپسند ہیں۔

اس سب کے جواب میں:۔

قَالَ: اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ! (قصص - ۷۷)

اُس نے کہا تھا، یہ ساری دولت میرے ہُنر کا نتیجہ ہے۔

یہ فسطائی ذہنیت

قارون کے رنگ میں رنگ جانے والوں کا حال یہی ہوتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی دولت ان کی اپنی محنت اور تدبیر کا نتیجہ ہے، اور بلا شرکت غیرے وہ اس کے مالک ہیں، ہاں اگر کسی فقیر کو کچھ دیدیں، تو یہ ان کی شرافت خیال کرنی چاہئے ان کا بنیادی تخیل یہ ہے کہ قدرت نے کمانے یا گنوانے کی صلاحیت ہر کسی کو دی ہے، اب جو گنوانے پر کمربستہ ہوں گے اس کے جوابدہ وہ خود ہوں گے دوسرے

کا اس میں کیا قصور ؟ دوسرے بھی کہاں تک ان کا بوجھ اٹھائیں گے ؟ رہا یہ سوال کہ از راہ ہمدردی اگر کوئی انھیں خیرات دیدے تو یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے، نہ کوئی اس سے باز پرس کرسکتا ہے، نہ ہی دینے کے لئے جبر کرسکتا ہے۔

سرمایہ داری کا یہ وہ بھیانک تخیل ہے، جو سب سے پہلے یورپ میں رونما ہوا اور آج تک یہ برّ اعظم اس کی لپیٹ میں ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جو سماج اس قسم کی ذہنیت کا شکار ہو وہاں مفلسوں کا پرسانِ حال تلاش کرنا یا ان کے لئے کسی قسم کے حقوق کا مطالبہ کرنا بے سود ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام اپنے آغاز (یعنی اٹھارہویں صدی عیسوی کے اواخر سے) ہی انتہا درجہ کی خود سری اور سنگدلی کے سبب کافی بدنام رہا۔ اس طبقے کو نہ بچوں پر رحم آیا، نہ عورتوں پر، حد یہ کہ انھوں نے معصوم بچوں اور بے بس عورتوں کو کم اُجرت اور لمبی ڈیوٹی کے لئے کارخانوں میں دھکیل دیا، جہاں بیچارے پیٹ کی آگ بجھانے اور دو وقت کی روٹی کے لئے اپنی طاقت سے کہیں زیادہ مشقت کرنے پر مجبور رہے، لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا جب کہ عالمی جنگ، ذہنی انقلاب، نئے تقاضوں اور دنیا میں جگہ جگہ سوشلسٹ اصولوں کی گونج نے اس طبقہ کو اپنے اندر تبدیلی لانے پر مجبور کر دیا، چنانچہ سرمایہ داروں نے کمزوروں اور اپاہجوں کے کچھ حقوق تسلیم کئے، پھر مختلف یونینوں اور قانونی مداخلت کی وجہ سے رفتہ رفتہ اس میں اضافہ ہوتا رہا ہے، اب تک اس مقصد کے لئے انشورنس اور پنشن جیسی اسکیمیں وجود میں آچکی ہیں، انشورنس میں آدمی اپنی آمدنی کا کچھ حصہ کمپنی میں جمع کراتا ہے جو آگے چل کر یک مشت اسے مل جاتا ہے اسلئے کم آمدنی والے کم پاتے ہیں جبکہ زیادہ ضرورت مند یہی ہوتے ہیں پنشن اسکیم میں گورنمنٹ خود اپاہجوں اور

حاجت مندوں کو قومی فنڈ سے ترتیب وار امداد دیتی ہے اور ان سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

مارکسسٹ کمیونسٹوں کے نزدیک

اس پارٹی کا نظریہ یہ ہے کہ غریبی کا انسداد اور غریبوں کے ساتھ انصاف اسی وقت ممکن ہے جبکہ سرمایہ دار طبقے کا نام ونشان مٹا دیا جائے، اور ہر ممکن طریقے سے ان کی دولت چھین لی جائے۔ اس لئے کہ یہ مرض انھیں کا لایا ہوا ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پسماندہ طبقے کو ان کے خلاف یورش کرنے کے لئے اکسایا جائے۔ ان کے دلوں میں بغض وحسد کی آگ جلائی جائے، تاکہ یہ خود ان سے لڑکر اپنے حقوق حاصل کرلیں، پھر نتیجہ بھی بہرصورت انھیں کے حق میں نکلے گا۔ اسلئے کہ "پرولتاری" یعنی محنت کش مزدور اکثریت میں ہونے کیوجہ سے مٹھی بھر سرمایہ داروں پر حاوی ہوں گے۔ اور آخری فتح یقیناً ان ہی کی ہوگی۔

علاوہ ازیں یہ پارٹی انفرادی اور نجی ملکیت کی سخت مخالف ہے، ان کا فیصلہ ہے کہ پیداوار کے جملہ ذرائع، خصوصاً زمین، فیکٹری اور اس کے کل پرزے کسی فرد کی ملکیت میں نہ رہیں۔

سوشلسٹ انقلاب کے حامیوں اور کمیونسٹوں کے خدوخال یہ ہیں، اشتراکی ذہنیت کی شکار ہر پارٹی خواہ اعتدال پسند رجحان کی حامی ہو، یا انتہاپسند کی یہ بات ان سبھوں میں مشترک ہے کہ انفرادی ملکیت کا بہرصورت خاتمہ ہو، خواہ اس کے لئے جنگ ہی کیوں نہ کرنی پڑے؟ اس لئے کہ ان کی نظر میں سارے فتنے یہیں سر اٹھاتے ہیں، البتہ جنگ کا طریقہ ہر کسی کا مختلف ہے۔ بعض دستوری اور جمہوری اصولوں کے ذریعہ اس جنگ کو لڑنا چاہتے ہیں اور بعض سڑکوں اور چوراہوں پر اس

مسئلے کو حل کرنا چاہتے ہیں۔

جارج بورگن اور بیرآمپیر، اپنی کتاب " سوشلزم یہ ہے" میں لکھتے ہیں:۔

"کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ " سوشلزم"، شخصی آزادی اور فرد کے اکرام کی حمایت کرتا ہے، لیکن دوسرے اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ سوشلزم یہ چاہتا ہے کہ پیداوار کے جملہ ذرائع قومیا لئے جائیں، اور محنت کش مزدوروں کی بالادستی پورے طور پر سماج پر قائم ہو۔"

لیکن ہمیں ان سرد و گرم مباحث میں پڑنے کی چنداں حاجت نہیں، اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ سوشلزم کے بارے میں یہ متضاد خیالات قدیم سے چلے آرہے ہیں چنانچہ میکسیم لوروا اپنی کتاب " فرانسیسی سوشلزم کے قائدین" میں لکھتا ہے:۔

"اس میں شک نہیں کہ سوشلسٹ نظریات میں خاصا اختلاف ہے، چنانچہ بابوف اور برودُن کے نظریوں میں فرق ہے سن سیمن اور برودُن کے افکار، بلانکی کے نظریات سے جداگانہ ہیں۔ پھر ان سبھوں کے خیالات اور لوئیس بلن، کے فوریی اور بکیر کے افکار میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ غرض ہر گروپ اور مکتب فکر میں سخت ٹکراؤ اور تصادم ہے، لیکن قدر مشترک کے طور پر کسی ایک نظریے پر ان سبھوں کا کامل اتفاق ہے تو وہ یہ کہ نجی ملکیت کا بہرصورت خاتمہ ہو، جو جملہ خرابیوں کی جڑ اور تمام سماجی نامساوات کی بنیاد ہے"۔

(ھٰذہ ھی الاشتراکیۃ ص۱۳)

رہا شورش پسند انقلابی سوشلزم، یا لادینی سوشلزم یا مارکس ازم، تو اس میں شک نہیں کہ ان نظریوں اور کمیونسٹ نظریات میں کوئی خاص فرق نہیں۔ اسلئے

کہ دونوں کی بنیاد انسان اور اس کی زندگی کے بس مادی وسائل اور ذرائع پر ہے اس سے ہٹ کر ان کے نزدیک دوسرا کوئی موضوع نہیں۔ نیز اس میں شک نہیں کہ بھانت بھانت کے یہ سارے سوشلسٹ نظریے دین کے کٹر دشمن ہیں انکی تمام ترکوشش یہ ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں مذہب کا گذر نہ ہو اور اگر حکومت قائم ہو تو اسکی بنیاد الحاد و لادینیت پر ہو کمیونزم خونریزی، تصادم اور شورش اور ہنگامے پر یقین رکھتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اخلاقی قدروں کو بزور پامال کر دیا جائے۔

پروفیسر عبداللہ عنان لکھتے ہیں:۔

"کمیونزم اور سوشلزم کی راہیں قطعی ایک ہیں۔ سوشلسٹ نظریات آگے چل کر کمیونزم کا روپ دھار لیتے ہیں انقلابی سوشلزم، کمیونسٹ نظریات کا دوسرا نام ہے۔ ان میں فرق بس طریق کار اور بعض جزئی صورتوں میں ہے لیکن جہاں تک حقائق کا تعلق ہے یہ صحیح ہے کہ کمیونزم خالص ہنگامہ آرائی اور توڑ پھوڑ پر یقین کرنے والا نظریہ ہے، اس کے پروگرام میں کسی سنجیدہ یا معقول وسائل کا استعمال یکسر مفقود ہے۔ جب کہ اعتدال پسند سوشلزم انھیں ایک حد تک قبول کرتا ہے، قصہ کوتاہ یہ کہ کمیونزم جبر و تشدد، جوڑ توڑ کی سیاست اور شورش پسندی پر عقیدہ رکھتا ہے۔" (المذاهب الاجتماعية الحديثة ص ۹۵)

بابِ دُوم

غریبی ـــــ اور ـــــ اسلام

- ـــ اسلام مسیحی موقف کا مخالف ہے۔
- ـــ غریبی ایمان کے لئے خطرہ ہے۔
- ـــ غریبی کا اثر اخلاق پر۔
- ـــ غریبی کا اثر افکار انسانی پر۔
- ـــ غریبی کا اثر خاندان پر۔
- ـــ سماج پر اثرات۔
- ـــ جبریہ سے اختلاف۔
- ـــ قسمت کا بہانہ اور تقدیر کا صحیح مفہوم۔
- ـــ قناعت کا غلط مفہوم۔
- ـــ قناعت کیا ہے؟
- ـــ غریبی اور خیرات۔
- ـــ اسلام سرمایہ داروں کے نظریے کا مخالف ہے۔
- ـــ اشتراکیت اور اسلام۔
- ـــ خلاصہ

اسلام مسیحی موقف کا مخالف ہے۔

اسلام غریبی اور خوشحالی سے متعلق عجیب و غریب مسیحی موقف کی مخالفت کرتا ہے، ہمارے جو نام نہاد صوفیا، ایرانی، بھارتی، مسیحی یا اور کسی انتہا پسند نظریے سے متاثر ہیں، اسلام انھیں بھی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے، اسلئے قرآن پاک کی کسی آیت یا صحیح احادیث کے کسی ایسے ٹکڑے کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی جس میں غربت و افلاس کو سراہا گیا ہو۔

اب رہیں وہ حدیثیں جن میں زہد و پرہیزگاری اور دنیا سے کنارہ کشی کی تعریف کی گئی، تو یہ واقعہ ہے کہ غریبی اور ناداری کی تعریف سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں، اسلئے کہ دنیا سے کنارہ کش اسی آدمی کو سمجھا جا سکتا ہے جس کے پاس پیسہ ہو، لیکن وہ اسی کا نہ ہو رہے، جو روپیہ اپنی مٹھی میں دبا لے لیکن دل کی گہرائی میں اسے جگہ نہ دے، وہ آدمی تارک الدنیا اور زاہد کہلانے کا مستحق کیوں کر ہوگا جس کے پاس پھوٹی کوڑی تک نہ ہو۔

اس کی بجائے اسلام دولت کو ایسی نعمت سمجھتا ہے، جسے خداوند عالم بطور احسان بندوں کے سامنے گنواتا ہے، اور اس کا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور غریبی کو پیچیدہ مسئلہ ہی نہیں بلکہ ایسی مصیبت قرار دیتا ہے، جس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیئے، ساتھ ہی اسلام اس کیلئے ایسے وسائل تجویز کرتا ہے، جس سے اس کا علاج ممکن ہو سکے۔

جہاں تک دولت کے نعمت ہونے کا تعلق ہے، باری تعالیٰ خود اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور احسان فرماتا ہے۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى (الضحیٰ - ۸)

دوسری جگہ دولت کو بندۂ مومن کے اعمال کا فوری اجر قرار دیتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی ارشاد فرمایا۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ط اِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا o يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا o وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا o

اور میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے، کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال واولاد میں برکت دے گا۔ تمہارے لئے باغات لگائے گا اور نہریں جاری کرے گا۔ (نوح ۱۰، ۱۱، ۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"حلال کمائی نیک بندوں کا بہترین سرمایہ ہے۔" (احمد، طبرانی)

اسیرانِ بدر کے متعلق آپ کو خطاب کرتے ہوئے قرآن پاک نے ارشاد فرمایا:۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ۔ (انفال)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے قیدیوں سے کہدیجئے، اللہ تعالیٰ دیکھے گا۔ اگر تمہارے دلوں میں ایمان معلوم ہوگا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دیدے گا۔

یعنی دل نیک، اور ایمان سے سرسبز رہا تو قید سے رہائی کے لئے جو کچھ لیا گیا اس پر حسرت کی کیا ضرورت؟ اس سے کہیں زیادہ اور پاکیزہ دولت انھیں مستقبل میں حاصل ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں معتبر احادیث بھی غریبی اور اس سے پیدا شدہ خرابی کو ایمان، اخلاق اور فکر و نظر کے لئے، اسی طرح انسانوں کی انفرادی اور

اجتماعی زندگی کیلئے زبردست خطرہ قرار دیتی ہیں، جیساکہ آئندہ سطروں سے معلوم ہوگا۔

غریبی ایمان کیلئے خطرہ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ غریبی دین و ایمان کے لئے سخت خطرناک ہے، خصوصًا ایسی جگہ جہاں دولت کی فراوانی ہو، یہ خطرہ اس وقت سوا ہوتا ہے جبکہ غریب جفاکش اور محنتی ہو، اور اس کا دولت مند پڑوسی انتہائی کاہل اور سست ہو، ایسے حالات میں غریب لامحالہ اس وسوسہ کا شکار ہو جاتا ہے کہ خدا اس کے ساتھ رزق کی تقسیم میں امتیاز اور جانبداری برت رہا ہے (نَعُوْذُ بِاللّٰہ)

چنانچہ کسی عرب شاعر نے ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا ہے ؎

کم عالم عالم اعیت مَذاھبُہٗ ؛ وجَاھلٍ جَاھلٍ تلقاہ مُرزوقًا

ھٰذا الذی یترک الاَلبابَ حائرۃً ؛ وصیّر العالم النحریر زِندِیقًا

(بہت سارے ہنروالے تھک ہار کر بیٹھ رہے، لیکن ان کے مقابلے میں ان پڑھ اور جاہل خوشحال ہو گئے۔ بلاشبہ غریبی وہ لعنت ہے، جو عقل کو ششدر۔ اور اچھے اچھوں کو بے دین بنا دیتی ہے!)

اور اگر نوبت یہاں تک نہ آئے تب بھی اتنا ضرور ہوتا ہے کہ ایک برخود غلط تعطل ہی دل میں بیٹھ جاتا ہے۔

چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

الرِّزق کالغیثِ بَینَ النَّاسِ مُنقسِمٌ ؛ ھٰذا غریقٌ وھٰذا یشتھی المَطرَا

یَسعیٰ القَوِیُّ فلا یَنال بِسَعیہٖ ؛ حظًّا و یحظی عَاجزٌ وَمَھِینٌ

(روزی لوگوں میں بارش کی طرح برستی ہے، کوئی اس میں شرابور ہو جاتا ہے

اور کوئی قطرہ کو ترس جاتا ہے، جفاکش اور محنتی، سخت دوڑ دھوپ کے بعد بھی محروم رہ جاتا ہے۔ اور کاہل غبی ڈھیروں اکٹھا کر لیتا ہے!)

عقیدے کی اس خرابی کو دیکھ کر ہمارے اسلاف نے کہا ہے، جب غریبی کسی بستی کا رُخ کرتی ہے تو بے دینی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیتی ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رح نے فرمایا، بے صبرے اور فاقہ کش بدترین کافر ثابت ہوتے ہیں اور یوں بھی صبر کا مادہ لوگوں میں کم ہی ہوتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اپنی جگہ بالکل درست ہے، جسمیں آپؐ نے فرمایا :-

کاد الفقران یکون کفرًا — قریب ہے کہ غریبی کفر تک پہونچا دے۔
(بیہقی، طبرانی، ابونعیم) (عراقی نے اس کی سند کو ضعیف بتایا ہے۔)

ایک حدیث میں آپؐ نے کفر اور فقر دونوں سے پناہ مانگی۔

اللھمّ انی اعوذ بك من الکفر والفقر۔ (ابو داؤد) — خدایا میں کفر اور فقر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

ایک دعا میں آپؐ نے فرمایا

اللّٰھُمَّ انی اعُوذُبِكَ مِنَ الفَقرِ وَالقِلۃِ وَالذِّلۃ وَاعوذبك مِنْ اَن اَظلِمَ او اُظلَمَ (نسائی) — اے اللہ! میں ذلت اور ناداری سے اور ظالم یا مظلوم بننے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

غریبی کا اثر اخلاق پر :-

غریبی کی وجہ سے جس طرح دین برباد ہوتا ہے۔ اسی طرح سیرت بھی بدل جاتی ہے اور آدمی ناداری اور افلاس کے ہاتھوں مجبور ہو کر کبھی وہ سب کر گزرتا

ہے، جسے نہ عقل سلیم گوارا کرتی ہے، نہ ہی انسانی شرافت اور مروّت اسے پسند کرتی ہے۔ خصوصًا ایسی جگہ یہ واقعات زیادہ پیش آتے ہیں جہاں غریب طبقہ خود کو اس مصیبت میں زیادہ ہی گرفتار پاتا ہے اور اس کے پڑوسی آسودہ اور خوشحال ہوں، اسی لئے مشہور ہے کہ "پیٹ کی پکار کے آگے ضمیر کی آواز بھی دب جاتی ہے"۔ اور یہ مشاہدہ ہے کہ غریبی کے دباؤ سے متاثر ہو کر آدمی اخلاقی قدروں اور اس کے پیمانوں کو بھی بدل ڈالتا ہے، اور دین و مذہب کی اس کی نظر میں کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ مزید برآں اس کا ذہن وساوس اور شکوک کی وادی میں سرگرداں اور حیران ہو جاتا ہے۔

چنانچہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی کردار پر غریبی سے پیدا شدہ اثرات اور اس کے دباؤ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

خذوا العطاءَ ما دام عطاءً فاذا صار رشوة على الدين فلا تاخذوه ولستم بتاركيه تمنعكم الحاجة والفقر (الطبرانی)

ہدیہ کی حد تک نذرانہ قبول کرسکتے ہو، اور اگر رشوت کا شائبہ ہونے لگے تو مت لو، اگرچہ ضرورت اور غریبی کے سبب اس کا چھوڑنا دشوار معلوم ہو۔ (سندہ ضعیف)

ایک حدیث میں قرض خواہ کی ہیئت کذائی بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا :۔

انّ الرجل اذا غرم حدّث فكذب ووعد فاخلف۔ (البخاری)

کوئی شخص قرض لینے کے لئے جب منھ کھولتا ہے تو قسم قسم کے بہانے کرتا ہے۔ پھر جب دینے کا وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا نہیں کرتا

غریبی کے سبب بدکاری، اور فارغ البالی کے نتیجے میں گناہوں سے حفاظت نصیب ہوتی ہے، اس فرق کو بیان کرتے ہوئے آپ نے ایک واقعہ سُنایا :۔

"ایک شخص نے رات کے اندھیرے میں کسی کو خیرات دی، اتفاق سے وہ آدمی چور نکلا۔ صبح ہوئی تو لوگوں میں اسکا چرچا ہوا۔ دوسری بار محتاج جان کر اس نے ایک عورت کو خیرات دیدی، اتفاق سے یہ عورت زانیہ نکلی، دوسرے دن پھر لوگوں میں چرچا ہوا کہ رات فلاں شخص نے اس فاحشہ عورت کو خیرات دی۔ رات میں اس شخص نے خواب میں کسی کو کہتے سنا: تم خاطر جمع رکھو، ہوسکتا ہے جس چور کو تم نے خیرات دی ہے، وہ چوری سے توبہ کرلے، یا وہ فاحشہ تمھاری خیرات پاکر بُری عادت چھوڑ دے"۔ (متفق علیہ، الترغیب والترہیب ۱/۲۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غریبی، چوری اور فحاشی کا راستہ بتاتی ہے، اور رقدر کفاف روزی ان گناہوں سے حفاظت کا باعث ہوتی ہے (اسلامی اور معاشی قدریں)

غریبی کا اثر افکار انسانی پر

یہ امر مسلّم ہے کہ غریبی کا اثر بد انسان کی روح اور اس کی سیرت تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ اس کے افکار و خیالات بھی بڑی حد تک اس سے متاثر ہوتے ہیں، اسی لئے جن غریبوں کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت کی چیزیں میسر نہیں آتیں ان کے لئے کسی بھی مسئلے پر یکسو ہوکر سوچنا درحقیقت ممکن نہیں ہوتا خصوصًا ایسے وقت میں جب کہ اس کے پڑوسی اس سے بدرجہا بہتر ہوں۔

چنانچہ محمدؒ بن حسن شیبانی کی طرف یہ حکایت منسوب ہے کہ ایک دن بیٹھے مسائل حل کر رہے تھے، اتنے میں باندی نے گھر میں آٹا نہ ہونے کی شکایت کی، امام محمدؒ نے جھنجلا کر فرمایا ——— "تیرا ناس ہو، تو نے بیسیوں مسائل میرے ذہن سے نکال دیئے"

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا، "جس کے گھر میں کھانے کو نہ ہو اس سے مشورہ نہ لو"! یہ اسی لئے کہ اس کے خیالات پراگندہ ہوتے ہیں

اور یہ نفسیاتی مسئلہ ہے کہ ذہنی ہیجان اور جذبات کی رو میں بہنے والے کی رائے پختہ نہیں ہوا کرتی، چنانچہ اس حدیث شریف سے اس بات کی تائید ہوتی ہے، جس میں آپؐ نے فرمایا:-

لَا يَقْضِي الْقَاضِيْ وَهُوَ غَضْبَان — غصہ کی حالت میں قاضی کو کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔ (ترمذی بمعناہ)

فقہائے امت نے غصے پر قیاس کرتے ہوئے بھوک پیاس اور اسی قسم کے دیگر زود اثر عوامل پر بھی یہی حکم عائد کیا ہے

ایک شاعر اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

اذا قل مال المرء قل بهاءهٗ ۔ وضاقت عليه أرضه وسماءهٗ

وأصبح لايدری وان كان داريا ۔ اقدامه خيرله أم وراءهٗ

(تہی دست ہونے پر آدمی بجھا بجھا سا رہتا ہے، زمین آسمان اپنی فراخی کے باوجود اس کی نظروں میں تنگ ہو جاتے ہیں اور لیاقت و صلاحیت ہونے کے باوجود اسے مطلق پتہ نہیں چلتا کہ کر گذرنا اس کے لئے اچھا ہے، یا نہ کرنا۔

غریبی کا اثر خاندان پر

غریبی خاندان کو مختلف پہلوؤں سے متاثر کرتی ہے، کبھی یہ اثرات اس وقت رونما ہوتے ہیں جب کہ خاندان کی تعمیر ہوتی ہے، یا اس کے بقا و استحکام کی، یا اس کے اندر شامل افراد میں میل جول پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

ا ــــ سب سے پہلے خاندان کی تعمیر اور بناوٹ کو لیجئے، اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ شادی کے خواہشمند محض غریبی کی وجہ سے نکاح سے کتراتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک ان سے کہتا ہے :-

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (نور ـ ۳۳)

جو لوگ نکاح کی طاقت نہیں رکھتے، انھیں اس وقت تک ضبط سے کام لینا چاہئے جب تک اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی نہ کر دے۔

یہ بھی مشاہدہ ہے کہ بعض لڑکیاں اور ان کے سرپرست اسلئے رشتے سے گریز کرتے ہیں کہ لڑکا ان کی منشار کے مطابق ہے لیکن غریب ہے! قرآن پاک نے اس سماجی روگ کی نشاندہی کرتے ہوئے اس پر تنقید کی ہے، اور سرپرستوں کو تنبیہ کی ہے کہ رشتہ طے کرتے وقت سوجھ بوجھ سے کام لیں اور اس بات کا خیال رکھیں کہ لڑکے کے انتخاب میں تنہا جاہ و ثروت ملحوظ نہ ہو، بلکہ حسن سیرت اور کردار کی پختگی بھی مدنظر ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ اگر وہ مفلس ہوئے تو خدا انھیں اپنے فضل سے غنی کر سکتا ہے قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (نور ـ ۳۲)

جو بغیر نکاح کے ہیں، تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہو، ان کا بھی، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیگا اور اللہ تعالیٰ وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے۔

۲ ــــ دوسرے نمبر پر خاندان کی بقاء اور اس کے استحکام کو لیجئے، ہم دیکھیں گے کہ غریبی یہاں بھی اپنا اثر دکھاتی ہے اور ہر طرح کی اخلاقی رواداری کو بے اثر کر دیتی ہے۔ چنانچہ محض غریبی کی وجہ سے نباہ نہ ہونے کی صورت میں میاں بیوی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں یا الگ کر دئے جاتے ہیں، جس کی خود اسلامی قانون بھی تائید کرتا ہے چنانچہ قاضی کو اس بات کی اجازت ہوتی ہے کہ مرد مفلس ہو، اور نان نفقہ نہ دے

سکے تو بیوی کو اس سے علیحدہ کر دیا جائے، تاکہ اُسے مزید تکلیف نہ ہو۔ "نہ دکھ دو نہ خود سہو"

۳ــــ تیسرے نمبر پر خاندان میں شامل افراد کے درمیان باہمی روابط کو لیجئے، آپ دیکھیں گے کہ غریبی کی وجہ سے آباد گھر ویران ہو جاتا ہے، اور انسان انسانیت کا جامہ اُتار کر خون آشام درندہ بن جاتا ہے۔ قرآن پاک اس بھیانک تاریخی حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ بعض صاحبِ اولاد اس قدر شقی القلب واقع ہوئے ہیں جو اپنے جگر گوشوں کو محض اس لیے فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں کہ وہ غریب ہوتے ہیں۔ یا انھیں فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ زیادہ بچوں کی پیدائش اور پرورش انھیں مفلس بنا ڈالے گی، یہ جرم انسانیت کی قبائے عظمت پر بدنما داغ ہے، جس پر انسانیت ہمیشہ سرنگوں رہے گی یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نہ صرف اس کی مذمت کرتا ہے بلکہ اس واہمہ کو سرے سے باطل قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ، نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (انعام۔ ۱۵)

اپنی اولاد کو ناداری کے سبب سے قتل نہ کرو ہم انھیں اور تمھیں دونوں کو رزق دیتے ہیں (انھیں قتل کر ڈالنا بڑا بھاری گناہ ہے)۔

اس آیت میں "ناداری کے سبب سے" کا لفظ موجودہ ناداری کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جبکہ دوسری آیت میں خشیہ املاق کا لفظ موجود ہے جو خیالی وہمی غریبی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم (اسراء، ۳۱)

اور (لوگو) اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو (کیونکہ) انکو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ بیشک اولاد کا قتل کرنا (بڑا) بھاری گناہ ہے۔

غرض افلاس حقیقت میں ہو یا محض اسکا اندیشہ ہو، بہرصورت اسکی اجازت نہیں کہ آدمی ایسی

حیا سوز حرکت کرے جو حسب ارشاد نبوی شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے چنانچہ روایت ہے کہ کسی نے آپؐ سے پوچھا، سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: خدا کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرانا، حالانکہ تنہا اسی نے تم کو پیدا کیا ہے۔ سائل نے عرض کیا، پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: پرورش کے خرچ سے بچنے کے لئے بچے کو قتل کر دینا۔ (بخاری و مسلم)

ناداری سے متعلق یہ اسلامی نظریہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انسان کی سیرت اور اس کے کردار اقتصادی اثرات اور اس کے نتائج سے کسی نہ کسی حد تک متاثر ہو جاتے ہیں، بلکہ کچھ تو اس دباؤ کے آگے خود کو اس قدر بے بس پاتے ہیں کہ شفقتِ پدری جیسے فطری جذبے تک کا گلا گھونٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان شاذ و نادر واقعات کو کلیہ قاعدے کا درجہ دے کر ہر دور، ہر ملک اور سب ہی انسانوں کے بارے میں ایک رائے قائم کر لی جائے۔ اس لئے کہ انسانی کردار اور اس کے باہمی روابط کو مضبوط بنانے کے لئے بہت سے نفسیاتی، سماجی اور مذہبی عوامل مصروف کار ہوتے ہیں۔ یہ اسی کا اثر ہوتا ہے کہ باشعور افراد اس قسم کی انسانیت سوز اور گھناؤنی حرکتوں سے قطعی نفرت کرتے ہیں۔ ہاں! سر دست اس تلخ حقیقت کو بے نقاب کرنے سے ہمارا مقصد بس یہ دکھانا تھا کہ غریبی کے ہاتھوں تنگ آکر آدمی اپنی اولاد کو زندہ در گور کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔

سماج پر اثرات

پچھلے خطرات سے قطع نظر سماج کی سلامتی اور سماجی قدروں کی تعمیر کی راہ میں غریبی زبردست رکاوٹ کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ

عنہ فرماتے ہیں :"مجھے ڈر ہے کہ تہی دست اور فاقوں کا مارا بھوک سے تنگ آ کر
قتل و غارت گری کا پیشہ نہ اپنا لے۔ پھر یہ تو ممکن ہے کہ آبادی کی کثرت کے سبب
روزگار ناپید ہونے اور غریبی کے آثار رونما ہونے پر آدمی صبر کر لے، لیکن اگر غریبی کا
اصل سبب یہ ہے کہ دلوں میں خود غرضی اور ایک دوسرے کے مقابلے میں برتری
اور عناد کے جذبات گھر کر چکے ہوں، یا دولت کی صحیح تقسیم اور گردش مفقود ہو کر چند
خاندانوں کی بالادستی پورے معاشرے پر قائم ہو گئی ہو تو ان حالات میں یقینی طور
پر جذبات مشتعل ہوں گے، ہنگامے اور فساد رونما ہوں گے اور باہمی اخوت اور پیار
و محبت کے رشتے تار تار ہو جائیں گے،۔

اس میں شک نہیں کہ جب تک سماج میں اونچ نیچ رہے گی، جب تک اونچے
اونچے محلات اور پست جھونپڑے ہوں گے دولت کے انبار اور غریبی کے گہرے
غار، حد سے زیادہ شکم سیری اور انتہا درجے کی فاقہ مستی رہے گی، اس وقت تک
دلوں میں بغض و حسد کی آگ سلگتی رہے گی اور سرمایہ داروں اور غریبوں کے
درمیان وسیع خلیج حائل رہے گی، پھر وہ وقت بھی آئے گا جب کہ ان ہی فاقہ مستوں
اور خانماں برباد لوگوں کے درمیان سے تخریب پسند اور قانون کو پاش پاش کر دینے والے
عناصر پیدا ہوں گے، یہی نہیں بلکہ غریبی سے پیدا شدہ یہ خطرہ قوم کی لیڈر شپ اور خود
ملکی آزادی کو بھی پوری شدت سے لاحق ہو گا۔ اس لئے کہ یہ طے ہے کہ ایک فاقہ زدہ
اور مصیبت کا مارا اپنے وطن سے دفاع کا کوئی ولولہ اپنے دل میں موجود نہیں پائیگا۔
نہ اس کے تقدس کی پامالیوں کا اسے کوئی غم ہو گا، اسلئے کہ اُسے یہ احساس ہو گا کہ
اس کے وطن کی زمین اس کے لئے نہ غلہ اُگاتی ہے، نہ خوف دہر اس کے عالم میں
اسے امن و سکون دیتی ہے، اور نہ ہی اس کے اندر بسنے والی قومیں تباہی کے

مہیب غار سے اُسے نجات دینا چاہتی ہیں۔

ایسے حالات میں آدمی اس قماش کے ظالم اور طوطا چشم وطن کو بچانے کے لئے کسی قسم کی قربانی دینا کیوں گوارا کرے گا؟ وہ خود کو قربانی کا بکرا بنانا کیوں پسند کرے گا۔ جب کہ دودھ اور گھی میں حصہ لگانے والے اسے دوسرے نظر آئیں گے؟ ؎

وَاِذَا یُحَاسُ الْحِیسُ یدعیٰ جُندَبُ ؛ وَاِذَا تکُون کریہۃٌ اُدعیٰ لَھَا

اور جب مالیدہ بنایا جاتا ہے تو جنب کو دعوت دی جاتی ہے — جنگ کے موقعہ پر مجھے بلایا جاتا ہے

غریبی سے پیدا شدہ اس جیسی صدہا خرابیاں ہیں، کچھ ایسی ہیں جن کا اثر عام انسانی صحت پر پڑتا ہے، جو ناقص غذا اور گندی رہائش کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں کچھ ایسی ہیں جن کا اثر انسان کی نفسیات پر پڑتا ہے، جس کے نتیجے میں دلی بھینچ، چڑچڑا پن اور تندخوئی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں یہ اور اسطرح کی کوئی سی خرابی ہو اس میں شک نہیں کہ براہ راست زد آدمی کی آمدنی، اس کی بود و باش، اس کے سماج اور اس کے ذریعہ معاش پر پڑتی ہے۔

جبریہ سے اختلاف

اسلام جسطرح اس مسیحی موقف کا مخالف ہے، کہ ہمہ قسم کے مادی مسائل سے قطع نظر آدمی پورے طور پر جسمانی اذیت کا خوگر بن جائے، اسی طرح جبریہ کا یہ نظریہ اسکی نظر میں بے بنیاد ہے کہ امیری اور غریبی کو تقدیر الٰہی کا ناقابل تنسیخ فیصلہ خیال کیا جائے اور صرف اس لئے کہ یہ فیصلہ خدا کی مشیت اور اس کی رضامندی کے عین مطابق ہے۔ آدمی خود کو تقدیر کے حوالے کر دے، اور ہر طرح کے علاج معالجے کا خیال دل سے نکال دے۔

درحقیقت یہ نظریہ ایسی رکاوٹیں پیدا کرتا ہے جس سے ظلم وزیادتی اور جھوٹے قوانین کی حکمرانی باقی رہے اور انصاف اور ٹھوس انسانی قدروں کی بحالی کسی طرح ممکن نہ ہو سکے۔

ان حالات میں اسلام اور اس کے ماننے والوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ افلاس اور غربت کے شکنجوں سے انسان کو آزاد کرانے کی پرزور وکالت کریں باعزت زندگی اور آزاد فطری ماحول میں افراد کو ان کے صحیح مقام پر فائز کریں، ساتھ ہی معاشرتی آداب اور سماجی ذمہ داریوں کی حدود متعین کریں مسلمانوں کا یہ اہم فریضہ ہے کہ وہ جبر یہ کے ان غلط افکار سے جنگ کریں جن کی جڑیں طویل عرصے سے لوگوں کے دل و دماغ میں گھر کر چکی ہیں۔

حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ سرمایہ دار اندرونی خباثت اور تکبر میں آکر اس نظریے کو اچھالتے ہیں، اور پسماندہ طبقہ جہالت کی وجہ سے فریب کھا کر اُسے مان لیتا ہے۔ نام نہاد دیندار افراد بھی ایسے نکل آتے ہیں جو منافقت یا غفلت کے سبب ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔

قرآن پاک نے شروع دن سے اس نظریہ کو اپنے سامنے موجود پایا۔ اس نے سرمایہ داروں کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ اللہ کی دی ہوئی دولت کو اس کے بندوں پر خرچ کریں۔ ذمہ داری کا مزید احساس دلانے کے لئے اسلام نے غریبوں اور مسکینوں کے حقوق اور اسکی مقدار متعین کی، پھر جب تقدیر الٰہی اور اسکی مشیت کا سہارا لے کر اعتراضات ہوئے تو قرآن کریم نے ان اوہام اور خیالی دعوؤں کا انسداد کیا۔ اور اسے کھلی ہوئی گمراہی قرار دے کر صاف اعلان کیا کہ:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا پھر جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا دیا

وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ أَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (یٰسین-۴۸)

اس کے کمزور بندوں پر خرچ کرو تو یہ منکر ایمان والوں سے کہتے ہیں ہم ایسوں کو کیوں کھلائیں جنھیں خدا چاہتا تو خود کھلاتا؟ تم صریح غلطی میں پڑے ہو۔

قسمت کا بہانہ اور تقدیر کا صحیح مفہوم

پھر اس سے بڑھ کر گمراہی اور کیا ہوگی کہ تقدیر الٰہی اور اسکی بنائی ہوئی قسمت کا مفہوم خود بیٹھ کر متعین کریں، اور بزعم خود یہ سمجھ بیٹھیں کہ خدا جب کسی غریب یا مسکین کو کھلانا چاہے گا تو آسمان سے روٹی سالن یا گھی اور شہد برسائے گا! حالانکہ اگر یہ عقل وانصاف سے کام لیتے تو ان کی سمجھ میں یہ بات آجاتی کہ خدا کی جانب سے رزق کی تقسیم کا مطلب یہ ہے کہ خدا ان ہی میں سے کسی کو کھلانے والا بنا دیتا ہے اور کسی کو کھانے والا۔ اور پھر واقعہ بھی یہی ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی باحیثیت کسی نادار کی کفالت کرتا ہے، تو درحقیقت یہ خدا ہی کی طرف سے مل رہا ہے، ورنہ مشیت ایزدی کے بغیر مالدار کسی کو روٹی کا ایک لقمہ بھی کیونکہ مہیا کرسکتا ہے؟

اسلام پیروان اسلام کو یہ سبق سکھاتا ہے کہ ہر مشکل کا حل اور ہر مرض کی دوا دنیا کے اندر موجود ہے۔ جس خالق حقیقی نے امراض پیدا کئے ہیں اسی نے اسکی دوا بھی پیدا کر رکھی ہے، اگر کسی کی تقدیر میں بیماری ہے تو شفایابی بھی اس کا نوشتہ تقدیر بن چکی ہے مشیت ایزدی اور تقدیر الٰہی کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ درد بھی اسکی مشیت ہے۔ اور علاج بھی اس کی مشیت ہے۔ سچا مومن وہ ہوتا ہے جو تدبیر کو تقدیر سے بدل دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے بھوک اور پیاس کے آثار رونما ہونے پر آدمی اسکی خاطر خواہ تدبیر کرتا ہے۔ حالانکہ یہ بھوک پیاس اور اس کا وہ

علاج سبھی چیزیں روز ازل سے تقدیر کے نوشتے میں موجود ہوتی ہیں ۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا ذکر ہے کہ شام میں ایک وبا پھوٹ پڑی ، اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس علاقہ میں پہلے سے موجود تھے جب آپ وہاں سے محفوظ مقام کی طرف چل پڑے تو کسی نے عرض کیا ۔ امیر المؤمنین! کیا مشیتِ ایزدی سے فرار کا ارادہ ہے ؟ آپ نے جواب دیا ہاں ! ہم خُدا کی ایک مشیت سے نکل کر اسکی دوسری مشیت کی طرف جا رہے ہیں ۔

عہدِ نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا ۔ دوا ، علاج اور پرہیز کرنا کیسا ہے ؟

هَل ترد من قدر الله شيئاً؟ کیا اس سے تقدیر بدل سکتی ہے ؟

قال هِي مِنْ قَدَرِ اللهِ ۔ آپ نے جواب میں فرمایا (کیوں نہیں) وہ بھی تو اس کی مشیّت ہوگی ۔

(احمد ، ابن ماجہ)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر غریبی بیماری ہے ، تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خدا نے اس کا علاج بھی تجویز کیا ہے اور اگر کسی کے لئے غریبی نوشتۂ تقدیر بن چکی ہے تو اسکا مقابلہ ، اور اس سے نجات کی تدابیر بھی عین نوشتۂ تقدیر ہونگی ،

قناعت کا غلط مفہوم

قناعت کی تعلیم جن احادیث سے ملتی ہے ان کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ نادار آدمی کیڑے مکوڑوں جیسی زندگی بسر کرے اور حلال کمائی اور آسودہ زندگی کی مطلق تمنّا بھی نہ کرے یا دولت منداس کے برعکس اسراف و فضول خرچی کرتا ہے عیش و عشرت میں مست رہے اور یہ سمجھتا رہے کہ خدا کو بھی یہی منظور ہے ۔

قناعت کا یہ مفہوم اسلئے نہیں ہے کہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت اپنے رب سے غنا اور بے نیازی کی دُعا بالکل اسی طرح کیا کرتی تھی جیسے تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی طلب کرتی تھی (مسلم) چنانچہ اپنے خادم اور صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ نے دُعا کی تھی۔

اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہٗ (بخاری) خدایا اس کی دولت میں برکت عطا فرما۔

اپنے عزیز ترین رفیق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف میں آپ نے فرمایا:-

مَا نفعنی مَالٌ کمَالِ اَبِیْ بَکرٍ رض (احمد، ابن ماجہ) ابو بکر رض کی دولت سے زیادہ کسی کی دولت نے مجھے نفع نہیں پہونچایا۔

اب یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ پھر قناعت سے مراد کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ قناعت ان دو چیزوں کا نام ہے:

قناعت کیا ہے؟

۱۔ اول یہ کہ یہ واقعہ ہے کہ دنیا کی حرص اور لالچ فطری طور پر انسان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، آدمی جس قدر کماتا ہے، اس سے کہیں زیادہ کی حرص اسکے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث اسی طرف اشارہ کرتی ہے، کہ

لو کان لابن آدم وادیان من ذھب لابتغی ثالثًا ولا ابن آدم کو اگر سونے سے بھری دو وادیاں مل جائیں، تو اس کے دل میں تیسری کی خواہش کروٹیں لے گی۔ (اور ننانوے کا

یَملأُ عَین ابنَ اٰدمَ الا

التُّرَابُ ! (بخاری حسب صراحت شیخ یہ پھیری یوں ہی چلتا رہے گا) یہاں تک کہ قبر کی
الباں "لوکان لہ ثالث" کی روایت ثابت نہیں) مٹی اسکی آنکھوں کو بھر دے گی ۔

حرص کی اس یلغار کے مقابلے میں مذہب پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ دولت اور روزی کے حصول کا ایسا معتدل اور مناسب راستہ تجویز کرے جس سے انسان کا نفس اسکی زندگی سے ہم آہنگ ہو جائے، اور اسے وہ سکون حاصل ہو جائے، جو سعادت کا سرچشمہ ہے جس کے بعد وہ کبھی حرص و آز کی اس دلدل میں نہ جا پڑے جہاں موت کے لمبے سائے منھ کھولے اس کے منتظر ہوں ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ : -

إن روح القدس نفث فی روعی أن نفساً لن تموت حتی تستکمل رزقها، فاتقوا الله وأجملوا فی الطلب

حضرت جبرئیل نے میرے کان میں یہ بات کہی کہ کوئی بھی آدمی اپنے حصے کی روزی حاصل کئے بغیر مر نہیں سکتا۔ اس لئے تم خدا کا خوف دل میں رکھتے ہوئے ہر مناسب طریقے سے روزی کی تلاش میں لگے رہو ۔

اس ہدایت کی بجائے اگر اسلام یہ طریقہ اپناتا کہ انسان کو کسی قید و بند کے بغیر پوری آزادی سے حرص و آز کے پیچھے لگا دیتا تو اس میں شبہ نہیں کہ انسان سارے سماج کے لئے زبردست خطرہ بن کر ابھرتا ۔ لیکن اس کے برعکس اسلام یہ سکھاتا ہے کہ انسان اپنی جولانی اور تمام تر توانائی، اخلاقی قدروں، پاکیزہ مقاصد اور جنت جیسی دائمی نعمت کے حصول کی طرف کرے ۔ چنانچہ یہ آیتیں پکار پکار کر اس سے کہتی ہیں :

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ

اور مت بڑھا اپنی نگاہیں ایسی چیزوں کے لئے جو ہم نے دنیا داروں کو چند دن کے فائدے

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○ (طٰہٰ - ۱۳۱)

کیلئے دی ہیں، ان میں لذت کہاں؟ وہ تو سامان آزمائش ہیں، ہاں۔ تیرے رب کے پاس موجود نعمتیں البتہ لازوال اور ابدی ہیں

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ○ (آل عمران - ۱۴-۱۵)

مرغوب چیزوں کی محبت نے لوگوں کو فریفتہ کر رکھا ہے، جیسے عورتیں بال بچے، سونے چاندی کے ذخیرے۔ نشان زدہ گھوڑے مویشی اور تر و تازہ کھیتیاں، حالانکہ ان کا نفع دنیا تک محدود ہے۔ اور خدا کے پاس موجود نعمتیں ان سے کہیں بہتر اور بے شمار ہیں۔ آپ فرما دیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتلا دوں، جو ان چیزوں سے بدرجہا بہتر ہوں (سنو) ایسے لوگوں کے لئے جو اللہ سے ڈرتے ہیں، ان کے مالک حقیقی کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان کے لئے ایسی بیبیاں ہیں، جو صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور ان کے لئے خوشنودی ہے اللہ کی طرف سے۔

اسلام کا فرض منصبی یہی ہے کہ حرص و ہوس اور بدنیتی کو دہکتا ہوا شعلہ قرار دے، تاکہ آدمی اس سے دور بھاگے، اُسے ہاتھوں میں اٹھا کر غم و اندوہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور اس سے بڑھ کر رنج و غم اور کیا ہوگا؟ کہ آدمی تھوڑے پر

بس نہ کرے جس قدر زیادہ ملے اس سے کہیں زیادہ کی فکر میں گھلتا جائے، اور جب اس کے پاس موجود مال اسکی تشنگی کو نہ بجھا سکے تو یہ غیروں کے مال و منال کی طرف ندیدوں کی طرح للچائی ہوئی نظر ڈالے اور حلال کمائی سے سیری نہ ہونے پر حرام کمائی کے لئے اس کی رال ٹپکنے لگے۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایسے ہی افراد تقدیر کے شاکی، اور سدا کے لئے بےچین ہوا کرتے ہیں۔ ان کی مثال جہنم کی سی ہے جو بے شمار افراد کو ہڑپ کر لینے کے بعد بھی کیا اور ہیں؟ کیا اور ہیں؟ کی پیہم صدائیں لگاتی رہے گی۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

قناعت اور قوت ایمانی کا تقاضہ ہے کہ دلوں میں لافانی اور پاکیزہ دولت کی طلب ہو، آخرت کی پائیدار زندگی کی تڑپ دل میں کروٹیں لے۔ اور اِس مالک حقیقی سے اس کا رشتہ استوار رہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اسلام سکھاتا ہے کہ مالدار اگر مالدار کہلاتا ہے تو اس لئے نہیں کہ اس کے پاس دولت ہے یا راحت کے اسباب اس کے پاس مہیا ہیں، بلکہ حقیقی دولت وہ سکینت اور آسودگی ہے، جو اس کے دل میں موجود ہے، ورنہ جسے یہ دولت میسّر نہ ہو اس کے لئے دنیا جہان کی راحتیں کس کام کی؟ چنانچہ یہ حدیث بتاتی ہے کہ

لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَۃِ الْعَرَضِ، اِنَّمَا الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ (متفق علیہ)	مالدار، سیم وزر کی فراوانی سے مالدار نہیں کہلاتا، بلکہ سچا دولت مند وہ ہے جو دل کا غنی ہو۔

۲ــــ دوسری بات جو قناعت اور تسلیم و رضا کا مفہوم سمجھنے کے لئے ذہن نشین

کرنی چاہئے یہ ہے کہ رزق اور دوسری تمام نعمتوں میں فرق مراتب درحقیقت منشائے الٰہی کے عین مطابق ہے، اور یہ وہ سنت الٰہی ہے، جو انسانی زندگی کے مزاج اور اس کے فرائض منصبی سے پورے طور پر ہم آہنگ بھی ہے اور اسکی خدا داد صلاحیتوں اور قوت ارادی کی آزمائش کیلئے ازبس ضروری بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ (نحل - ۷۱)

تم جو روزی میں کسی سے کم اور کسی سے زیادہ ہو تو بس یہ خدا کی طرف سے ہے

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ؀ (اسراء - ۳۰)

تمہارا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کے دروازے کھولدیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے بند کردیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے جملہ حالات سے باخبر ہے۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے :-

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ (انعام - ۱۶۵)

اس نے تمھیں زمین پر اپنا نائب بنایا اور یہ جو ایک دوسرے پر فوقیت دی، تو اس لئے تاکہ تمھاری آزمائش کرے۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ دنیا ہی میں کوئی پست قد ہوتا ہے، کوئی سرو قد، کوئی بدصورت ہوتا ہے، کوئی پری وش، کوئی بلا کا ذہین ہوتا ہے کوئی نادان، لیکن اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا، بالکل اسی طرح یہ بھی کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہونی چاہئے کہ کوئی دولت مند رہے اور کوئی فاقہ مست، اسلئے کہ یہی زندگی کا

مقتضیٰ اور خدا کی سنّتِ متوارثہ کا منشا ہے۔ کیونسٹ اور سماجی مساوات کا بلند بانگ دعویٰ کرنے والے خواہ سر توڑ کوشش کریں، خواہ دنیا سر پہ اٹھالیں یہ حقیقت ہے کہ وہ اس میں سرِ مو فرق نہیں کرسکیں گے، اسلیئے کہ فطرت کے اصول بدلے نہیں جاتے،

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان سچی زندگی بسر کرنے کا خوگر ہو، نہ گہرے رنج میں مستغرق رہے، نہ طاقت کا بے جا استعمال کرے اور نہ موہوم اور جھوٹی آرزؤں کے پیچھے آنکھیں بند کرکے چل پڑے،

اسلام کی نظر میں ایک مسلمان کا امتیازی وصف یہ ہونا چاہیئے کہ وہ دوسروں کی دولت پر حریصانہ نظریں نہ گاڑے۔ اس لئے کہ اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا نکلے گا کہ رشک و حسد کی آگ میں اس کا دل جل اٹھے گا، اور لالچ اسکی رگ رگ میں سما جائے گی۔

یہ مشاہدہ ہے کہ آدمی اپنی حرماں نصیبی اور دوسروں کی فارغ البالی کا بڑا گہرا اثر قبول کرتا ہے، اس کا توسن فکر مثبت سے کہیں زیادہ منفی راستوں پر سرپٹ دوڑتا ہے۔ حالانکہ اسکی بھلائی اس میں تھی کہ اسے آسودہ حال لوگوں کو نہ دیکھتے ہوئے ایسوں پر نظر کرنی چاہیئے تھی جو اس سے کہیں زیادہ گئی گذری زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ تاکہ اس کو راحت، اور سکونِ قلب نصیب ہو۔

قناعت کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ آدمی اسی دائرے کے اندر رہ کر بخوشی اپنی سرگرمیاں جاری رکھے، جس کی حدود خود اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے متعین کردی ہیں۔ پھر ان حدود کی پابندی بھی اسی انداز سے کرنی چاہیئے کہ لاکھ چاہنے کے بعد بھی وہ اس کے حلقۂ اثر سے باہر نہ نکل سکے۔

قناعت اور قوانین فطرت کے دائرے میں محدود رہ کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کو یوں سمجھئے کہ ہر آدمی ہی ورثے میں کچھ ذہنی اور جسمانی توانائی پاتا ہے پھر علم، ماحول اور وقت کے ساتھ ساتھ حاصل ہونے والے کچھ تجربات اسے فکر و نظر کا مزید سرمایہ عطا کرتے ہیں۔ اب اگر یہ شخص اپنے لئے کسی قسم کا طریقہ کار متعین کرے تو اس کی بس بھر کوشش یہی ہوتی ہے، کہ وہ اپنے قائم کردہ دائرے میں رہ کر اپنی جدوجہد کو باقی رکھے، چنانچہ اسے یہ فکر قطعاً نہیں ہوتی کہ ناقابل حصول اشیاء کو حاصل کرنے کے لئے سرگرداں رہے۔ یا خیالی منصوبوں کے شیش محل تعمیر کرے، اس لئے کہ اسے بخوبی علم ہے کہ اس صورت میں اس کی مثال اس بوڑھے آدمی کی سی ہوگی جو بڑھاپے میں جوش جوانی کا طلبگار ہو یا بدصورت عورت حسن و جمال کی خواستگار ہو یا ناٹا پست قد، سرو قد نوجوان جیسا بننا چاہے۔ حالانکہ یہ اُنکی پہنچ سے کلی بعید ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں نے بھی اسی قسم کی ایک خواہش کا اظہار کیا تھا۔

انھوں نے دربار نبوی سے درخواست کی تھی کہ مردوں کا سا اجر انھیں بھی حاصل ہو۔

لیکن جواب میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۔ (نساء - ۳۲)	اس چیز کی خواہش مت کرو، جس میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہے۔ مردوں کا اپنی کمائی میں حصہ ہے اور عورتوں کا اپنی کمائی میں، ہاں اپنے رب سے اس کے فضل کی طلب ضرور کرو۔

پھر قوموں کی زندگی میں کبھی تنگ دستی اور فاقہ مستی کا بھی ایک دور آتا ہے، کبھی جنگ یا بعض نامساعد حالات درپیش ہوتے ہیں کچھ علاقے جغرافیائی لحاظ سے ایسی جگہ واقع ہوتے ہیں جہاں خوشحالی یا آسودگی کے وسائل یکسر مفقود ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہاں کے باشندوں کے لئے حصول رزق یا نقل مکانی کیلئے بھی حالات سازگار نہیں ہوتے ایسے ہمت شکن حالات میں اگر کوئی مفید دوا یا تیر بہدف علاج سودمند ہوسکتا ہے تو سچ پوچھئے تو وہ یہی قناعت اور تسلیم ورضا کا نفسیاتی علاج ہے اس لئے کہ اس علاج سے ہٹ کر اگر ان کی نگاہیں دوسروں پر مرکوز ہوں اور پھر وہ ان کا ساننے کے لئے مفت میں اپنی جان کھپائیں تو اس کو کوئی بھی عالی ہمتی یا جانبازی سے تعبیر نہیں کرسکیگا۔ اس لئے کہ اس کی حیثیت بے سود تمناؤں اور جھوٹی خواہشات سے کسی طرح کم نہ ہوگی، جس کا نتیجہ بہر صورت حرماں نصیبی اور نامرادی کے سوا کچھ نہ ہوگا البتہ یہ تصور ان کے لئے قدرے تسلی کا باعث ہوسکتا ہے کہ وہ یقین کریں کہ خوشحالی کا راز اسباب راحت کی فراوانی میں مضمر نہیں بلکہ اصل خوش حالی یہ ہے کہ آدمی کا دل سکون اور چین محسوس کرے۔ "سب سے بڑی دولت یہ ہیکہ بندہ اپنے رب کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے افراط تفریط سے کلی پرہیز کرے"۔ (ابن ماجہ) نیز آپؐ نے اس شخص کو کامیاب انسان قرار دیا جس نے اسلام کی راہ اپنائی، بقدر ضرورت روزی پر اکتفا کیا، اور صبر و قناعت کو اپنا شیوہ بنایا۔ (ترمذی، مسلم)۔ یہ اسلئے کہ آدمی کو بقدر ضرورت چیز زیادہ فائدہ پہنچاتی ہے، ورنہ اسباب راحت کی فراوانی کس کام کی جو خدا کی یاد کو دل سے بھلا دے۔

ان الغنیٰ هو الغنی بنفسه ولوانه عاری المناکب حاف
ما کل مافوق البسیطة کافیا واذا قنعت فبعض شئ کاف

مالدار وہ ہے جو دل کا غنی ہو، خواہ اس کے تن پر کپڑا اور پیروں میں جوتا نہ ہو، قناعت پیشہ

آدمی کے لئے تھوڑا بھی بہت ہے، اس لئے کہ یہ نہ ہو تو کل کائنات بھی ناکافی ہے۔

خلاصہ یہ کہ آدمی بے انتہا حرص اور حد درجہ کی بدنیتی میں مبتلا نہ ہو، نہ ہی غیروں کی دولت یا ناقابل حصول چیزوں کی طلب میں رہے۔ بس اسی کا نام "قناعت" ہے، جس کے ذریعہ آدمی خوشحال زندگی کے مواقع حاصل کرسکتا ہے۔

خداوند عالم سچے مسلمان کو اسی قسم کی زندگی مرحمت فرمانے کا وعدہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۔ (نحل - ۹۷)

جو مرد یا عورت نیک کام میں حصہ لیں اور ان کے اندر ایمان موجود رہے تو ہم انھیں اچھی زندگی عطا کریں گے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک، اس اچھی زندگی سے مراد یہی "قناعت والی زندگی" ہے۔

غریبی اور خیرات

اسلام اس موقف کو ضرور پسند کرتا ہے جس میں سرمایہ داروں کو اس بات کی تلقین کی جاتی ہے کہ وہ عطیہ اور خیرات دینے میں دریغ نہ کریں۔ غریبوں کے دکھ درد میں شریک رہیں۔ اور نیک کاموں میں پیش قدمی کریں۔ لیکن بایں ہمہ اسلام شخصی خیرات کو مکمل علاج تصور نہیں کرتا۔ اسلئے کہ ناداروں کو محض سرمایہ داروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا کوئی انصاف نہیں۔ خصوصاً جب کہ سرمایہ دار طبقہ بڑی حد تک خود غرضی، سنگ دلی اور عقیدے کی کمزوری کا شکار ہو، خدا و رسول اور ثواب و عذاب کی فکر سے کہیں زیادہ مال و زر کی محبت میں گرفتار ہو، اور ان کی ہیئت کذائی بھی زمانہ

جاہلیت کے اس سماج سے مشابہ ہو، جس کی قرآن پاک نے ان الفاظ میں مذمت کی ہے۔

كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا	ہرگز ایسا نہیں، بلکہ تم اور تمہارے اعمال بھی موجب عذاب ہیں چنانچہ تم لوگ یتیم کی کچھ قدر اور خاطر نہیں کرتے، اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے۔ اور تم میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور مال سے تم لوگ بہت ہی محبت رکھتے ہو۔
(فجر۔ ۱۸ - ۲۱)	

پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شخصی خیرات سے غریبی ہٹانے میں ناکامی کا حقیقی سبب بھی خیرات کا یہی نظریہ ہے، چنانچہ ڈاکٹر ابراہیم لیبان نے غریبوں کے حقوق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

" مختلف آسمانی مذاہب نے غریبی کو ہٹانے کے لئے انفرادی خیرات اور غریبوں کی ہر ممکن امداد ..... کا طریقہ تجویز کیا۔ ایک عرصے تک عوام کی بھاری اکثریت بھی ان کی پیروی کرتی رہی۔ لیکن دشواری یہ رہی کہ یہ تدبیر اپنی جگہ قابل قدر ہونے کے باوجود غربت کی بیخ کنی اور پسماندہ طبقے کو باعزت مقام دلانے میں قطعی ناکام رہی، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجویز اپنے مقصد میں ناکام ہے۔ لیکن پھر بھی اس نظریے کو رد کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نئے سرے سے اس کا جائزہ لیا جائے اور ناکامی کے حقیقی اسباب تلاش کئے جائیں۔

ادنیٰ سے غور کے بعد ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ روزمرہ کے کاموں میں کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک حیثیت سے وہ واجب ہوتے

ہیں۔ لیکن دوسرے پہلو سے انھیں حق کا درجہ حاصل ہوتا ہے: مثال کے طور پر خرید و فروخت کو لیجئے! آپ بھی اسے تسلیم کریں گے کہ خریدار کے ذمے قیمت کی ادائیگی واجب ہوتی ہے۔ ایک اس لئے کہ حق دار خود پیہم تقاضہ کیا کرتا ہے اور بہر صورت اُسے وصول کرنے کے درپے ہوتا ہے۔ دوسرے ملکی قانون بھی اس حق کو حق دار تک پہنچانا لازمی قرار دیتا ہے۔ اب یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ خرید و فروخت کی کامیابی اسی واجب اور حق کے ملے جلے احساس میں مضمر ہے۔ اب اس تمہید کی روشنی میں خیرات کو لیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ خیرات کے بارے میں عام رُجحان یہ رہا ہے کہ خیرات کسی کا حق نہیں، اور نہ اس قدر اہم ذمہ داری ہے جس کی وصولی ضروری قرار پائے یا اس پر کسی قسم کا جبر کیا جائے۔ البتہ اس کی حیثیت ایک شخصی ذمہ داری کی سی ہے جس کے پورا کرنے میں چنداں مضرت بھی نہیں ہے۔ لیکن فکر و نظر کی یہی وہ غلطی تھی جس نے خیرات کے نظریے کو نقصان پہنچایا، چنانچہ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس نظریے کے عین عروج کے زمانے میں خود غریبوں تک کو یہ احساس نہ ہوا کہ دوسروں کے ذمہ ان کے بھی کچھ حقوق نکلتے ہیں۔ جو انھیں ملنے چاہئیں، پھر اس پر طرّہ یہ کہ سرمایہ دار اور خود خیرات کے حق داروں تک کو یہ خیال نہ آتا تھا، کہ ان کے معاملے میں حکومت کسی قسم کی مداخلت کرے گی، اس لئے کہ حکومت بھی کسی معاملے میں مداخلت معقول اسباب کے بغیر نہیں کرتی۔

اب رہا شخصی خیرات کا مسئلہ! تو حکومت کے لئے اس میں مداخلت کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں ہے، اس لئے کہ حکومت مخصوص شرطوں کے ساتھ دوسری چیزوں پر ٹیکس کی کوئی رقم تو مقرر کر سکتی ہے لیکن خیرات کے نام سے کوئی ٹیکس کیونکر عائد ہو سکتا ہے؟ کہ ہر آدمی غریبوں پر اس قدر مہربانی کر دیا کرے۔ مزید برآں یہ تعین کیونکر کیا

جا سکتا ہے کہ مہربانی اور خیرات کا یہ کام کون لوگ؟ کس وقت؟ اور کس صورت میں انجام دیا کریں گے؟

مختصر یہ کہ انفرادی خیرات اپنی جگہ بے حد کمزور اور موہوم سا تخیل ہے۔ جس سے غریبی کا علاج یقیناً مشکل ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس نظریے کی رو سے سماج کے اندر غریبوں کے لئے کوئی امداد کی مقدار متعین نہیں کی جاتی، نہ ہی خیرات اور مہربانی کرنے کو بنیادی حق کا درجہ دیا جاتا ہے، جس سے اس کے اندر پختگی اور ثبات پیدا ہوتا ہے۔ مزید دشواری اسلئے پیش آئی کہ اس کام کی ذمہ داری فرد کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دی گئی اور کسی بھی خارجی طاقت کو غریبوں کی حمایت یا امیروں کے اس نجی معاملے میں مداخلت کا مجاز نہیں ٹھہرایا گیا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ لوگ خیرات کی مقدار گھٹاتے رہے۔ غریب طبقہ بھی جو پہلے سے ہر قسم کے سماجی تعاون سے محروم تھا کشاں کشاں فقر و فاقے کے مہیب غار کی طرف بڑھتا رہا اور آخر میں یہ نظریہ بھی پورے طور پر اضمحلال کا شکار ہو کر رہ گیا۔"

(مجمع البحوث الاسلامیہ قاھرہ ص ۴۲-۲۴۳)

اسلام سرمایہ داروں کے نظریے کا مخالف ہے:-

انفرادی خیرات کی طرح اسلام یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ دولت سرمایہ داروں کی ذاتی ملکیت سمجھی جائے۔ تصرف کے جملہ حقوق بس انھیں حاصل ہوں اور کسی کو خیرات دینا نہ دینا ان کی اپنی مرضی پر موقوف ہو اس لئے کہ قارون کی ذہنی اُپج یہی تھی جس نے دولت کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے خدا کی نعمتوں کا انکار کیا تھا۔ اور اپنی پسماندہ قوم کی حق تلفی کی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے اُسکو اور اس کے

دھن دولت کو زمین میں دھنسا دیا اور کوئی اس کا پرسان حال نہ رہا۔" (قصص ، ۸۱)
اس کے برعکس اسلام دولت کو خدا کی ملکیت اور اس کا عطیہ قرار دیتے ہوئے بندے کو محض نائب اور نگراں کی حیثیت دیتا ہے۔ جس کا کام یہ ہے کہ دولت کو حاصل کرنے اور خرچ کرنے میں صرف اپنے مولیٰ کی مرضی کو مدنظر رکھے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ (بقرہ : ۲۵۴) جو (مال) ہم نے تمکو دیا ہے اسمیں خرچ کرو۔ نیز فرمایا۔
وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ۔ (حدید ۔ ۷) اور جس مال میں تم کو اسنے قائم مقام کیا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں خرچ کرو)

مال دار کا مال خود اس کا نہیں، خدا کا عطیہ ہے، چنانچہ ارشاد ہے :
وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ (نور ۔ ۳۳) اور اللہ کے (دیئے ہوئے) اس مال میں سے ان کو بھی دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے۔
(یہ اس لئے کہ انسان زیادہ سے زیادہ عمل پیدائش میں اپنی کوشش صرف کرتا ہے لیکن اس کوشش سے نتیجہ برآمد کرنا خدا کے سوا کون کرسکتا ہے۔ چنانچہ کھیت میں بیج ڈالنا یقیناً اس کے بس میں ہے۔ لیکن اس بیج سے پودا اُگانا، اور پودے کو درخت کی شکل دینا اس کے بس میں نہیں ہے۔)

پھر اسلام بتاتا ہے کہ یہی مالک حقیقی جس نے انسان، اس کی دولت اور ساری کائنات کو پیدا کیا، غریبوں کی مشکلات کا احساس دلا کر، مالداروں کو ان کی دولت میں، بلکہ سچ پوچھئے تو اپنی ہی دولت میں، جس کے وہ فقط امین ہوتے ہیں ایک مخصوص مقدار علیحدہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ یہاں محض زبانی حکم پر اکتفا نہیں کیا جاتا۔ نہ ہی خیرات دینے کے حکم کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ تنہا یہ چیزیں کسی بھی بگڑے ہوئے ماحول کو

بدل نہیں سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی شریعت نے اس معاملے میں مداخلت کرنے اور غریبوں کے حقوق کی بحالی کیلئے اسلامی حکومت کو مکمل اختیارات دیئے اور حکم عدولی کرنے والوں سے اس وقت تک برسرِ پیکار رہنے کا حکم دیا جب تک وہ ان کی ادائیگی کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔

دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام انتہائی منصفانہ طور پر دو ایسے ذرائع کو یکجا کرنے میں کامیابی حاصل کرلیتا ہے جن میں باہم بڑی دوری ہے۔ چنانچہ ایک طرف وہ دعوت و تبلیغ اور اخلاقی دباؤ کے ذریعے دلوں کو ہموار کرتا ہے اور دوسری طرف پہلی تدبیر کارگر نہ ہونے کی صورت میں جبر و اکراہ اور قانون کی طاقت استعمال کرنے سے بھی قطعاً گریز نہیں کرتا۔ یہ طریق کار "خیرات سے غریبی کا علاج" اور سرمایہ داروں کے نقطۂ نظر سے بدرجہ بہتر ہے، اس لئے کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ جہاں نرمی سے کام نہیں بنتا، وہاں سختی ناگزیر ہوتی ہے۔ قرآنی تعلیمات سے روگردانی کرنے والوں کا بہتر علاج یہ ہو سکتا ہے کہ ان پر تعزیرات کی دفعات نافذ کردی جائیں۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ غریبی ہٹانے کے لئے سرمایہ داروں کی نام نہاد تجاویز کے مقابلے میں اسلام کا طریق کار چند امتیازی خصوصیات کا حامل ہے:۔

۱ــــ اسلام کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے غریبوں کے حقوق سب سے پہلے تسلیم کیے، ان کی ضمانت دی اور گذشتہ چودہ صدیوں سے، اس راہ میں مزاحمت کرنے والوں سے برابر جنگ کر رہا ہے اور مثل مشہور ہے کہ "پہل کرنے والا افضل ہوتا ہے" خواہ بعد والے کتنا ہی آگے کیوں نہ نکل جائیں۔

۲ــــ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ حقوق خالص اسلامی ہیں۔ اسلام ان حقوق کو بنیادی اور آئینی تصور کرتا ہے، اور انھیں رکن کا درجہ دیتا ہے۔ کسی اِزم یا دوسرے

دھرم سے مستعار لے کر اپنے نظام میں ان کی پیوند کاری نہیں کرتا۔ نہ ان کو ایسی ضمنی حیثیت دیتا ہے جو ماحول، سماج، زمانے کے انقلابات یا جنگی حالات کے دباؤ کا نتیجہ ہو۔

۳ـــ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ حقوق دائمی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہیں ان کی حیثیت وقتی اور عارضی نہیں، ورنہ یہ واقعہ ہے کہ جس نظام میں وقتی تقاضوں کے سبب کوئی تبدیلی ہوتی ہے۔ آگے چل کر کسی اور وقتی تقاضے کے تحت مزید تبدیلیوں کا امکان نکل آتا ہے اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اسلام ازلی شریعت اور خدا کا ایسا آخری قانون ہے جس میں تا قیامت کسی ترمیم یا تبدیلی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۴ـــ چوتھی اور سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی نظام خود ایک جامع، ٹھوس اور مکمل نظام حیات ہے۔ جس کے اندر وہ ساری خوبیاں اور کمال موجود ہے جو ایک ہمہ داں اور ہمہ بیں ذات کے مقرر کردہ نظام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کوئی نظام نہ ان اوصاف کا حامل ہے۔ نہ ان اوصاف میں اسلام کی ہمسری کا تصور کر سکتا ہے۔ چنانچہ یہ مشاہدہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی جاری کردہ بیشتر اسکیمیں، کڑی شرطوں کے ساتھ انتہائی محدود پیمانے پر کسی ضرورت مند کو مالی تعاون یا امداد دیتی ہیں۔ لیکن انھیں مطلق اس کی پرواہ نہیں ہوتی، کہ لینے والے کی ضرورت اس امداد سے پوری ہوتی ہے یا نہیں۔

اس اجمال کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ:

۱ـــ یورپ نے طویل غور و فکر کے بعد امداد و اعانت کے لئے "انشورنس" اور بیمہ کے طریقے کو رواج دیا، اور چونکہ اس کا موجد یورپ تھا، اس لئے فیشن کی طرح

دنیا کے بہت سارے ملکوں میں اس کا شہرہ ہوا۔ لیکن اس اسکیم کی ایک خامی تو یہ ہے کہ اس کا فائدہ وہی اٹھا سکتا ہے، جو خانہ پری کے بعد خود کو اس اسکیم سے متعلق کر چکا ہو۔ اسی لئے غیر متعلقہ افراد کو اسکا کوئی فائدہ نہیں ہوتا خواہ اُن پر کیسی ہی افتاد کیوں نہ پڑے۔

دوسرے یہ کہ اس اسکیم میں پالیسی خریدنے والے کو وہی کچھ ملتا ہے جس قدر برسر روزگار رہتے ہوئے گا ہے گاہے وہ جمع کئے ہوئے ہوتا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ زیادہ آمدنی والے کی بچت زیادہ اور کم آمدنی والے کی بچت کم ہوگی جبکہ حاجت اور ضرورت کم آمدنی والوں کو زیادہ ہوا کرتی ہے۔

اس کے برعکس اسلامی نظام بنی نوع انسانی کی عمومی کفالت کی جو ذمہ داری اپنے اوپر عائد کرتا ہے خصوصاً مسلمانوں کو جس نظام کا پابند بناتا ہے، اس کی ممتاز صفت یہی ہے کہ امدادی رقم پانے والوں کا کوئی سرمایہ پہلے سے بیت المال میں جمع نہیں ہوتا اسی لئے تقسیم کے وقت کم یا زیادہ امداد کے لئے کسی ناپ تول کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی جس سے ضرورت مند کی جملہ ضرورتیں رفع ہو جاتی ہیں اور وہ فارغ البال اور آسودہ حال ہو جاتا ہے۔

۲۔۔۔ سماجی کفالت کے یوروپین نظام میں نقص کی یہ دو وجہیں مستزاد ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ جملہ ضرورتمند یکساں طور پر ان سے مستفید نہیں ہو سکتے۔

دوسرے یہ کہ اسلامی نظام زکوٰۃ کے طریقے سے جس ہمہ گیر طریقے پر غریبوں کی اعانت اور دستگیری کرتا ہے یوروپین نظام برائے نام امداد پر یقین رکھتا ہے۔ تفصیل آرہی ہے۔

اِشتراکیت اور اسلام

اب رہی اشتراکیت (مارکسسٹ کمیونسٹ) جس کی نظر میں غریبی کا علاج بس اسی صورت میں ممکن ہے کہ سرمایہ داروں کے خلاف یورش کی جائے، ان کی املاک ضبط کرلی جائے۔ نجی ملکیت کو سرے سے ختم کردیا جائے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پس ماندہ طبقہ میں سرمایہ داروں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا کر ایک قسم کی طبقاتی جنگ کا ماحول پیدا کیا جائے۔ تاآنکہ محنت کش عوام کی فتح ہو، اور پرولتاری آمریت بحال ہوجائے! — تو — واقعہ یہ ہے کہ اسلام ان رجحانات کی مخالفت کرتا ہے، اس لئے کہ یہ نظریہ براہ راست اسلامی اصولوں سے ٹکراتا ہے —

اختلافات کی چند وجوہات یہ ہیں :-

ا — یہ درست ہے کہ سرمایہ داروں میں ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو دولت کے نشے میں ظلم و زیاتی کا خوگر بنا، یہاں تک کہ ناداروں اور مزدوروں کے جائز حقوق تک دبا بیٹھا، لیکن یہ بھی درست ہے کہ ان ہی میں ایک دوسرا طبقہ ایسا بھی ہمیشہ رہا ہے جس نے دولت کو نعمت الٰہی سمجھا، اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی —— پھر ایسے حالات میں اسلام یہ کیوں کر پسند کریگا کہ گناہ قوم کے چند افراد ہی کریں لیکن اس کی سزا پوری قوم کو دی جائے!؟

اسلام کا ازل سے یہ دستور ہے کہ ہر کوئی اپنا ہی جوابدہ ہے۔ یا اپنے ان ماتحتوں کا، جن کی نگرانی اسے سونپی گئی ہے لیکن ان کے علاوہ کسی اور کی جواب دہی اس کے اوپر عائد نہیں ہوتی۔

كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (طور — ۲۱)
ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) میں محبوس (جہنم میں) رہے گا۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (انعام — ۱۶۴)
اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے۔ وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

قرآن پاک بتاتا ہے کہ یہی اصول پچھلی کتابوں میں بعینہ موجود تھا۔

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (نجم - ۳۶-۳۹)
کیا اس کو اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰؑ کے صحیفوں میں ہے اور نیز ابراہیمؑ کے جنھوں نے احکام کی پوری بجا آوری کی، (وہ مضمون یہ ہے کہ) کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا اور یہ کہ انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔

ان قوانین کو عقل سلیم اور حق و صداقت پر مبنی آئین بھی تسلیم کرتا ہے۔

۲ — اختلاف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام خاص طور پر انفرادی اور نجی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے اس لئے کہ اس صورت میں انسان کے فطری جذبات کی تسکین ہوتی ہے۔ سماج کے اندر ترقی اور پیش قدمی کی امنگیں پیدا ہوتی ہیں۔ معاش کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں اور در حقیقت شہری اور سیاسی آزادی کی سچی ضمانت اسی کے اندر مضمر ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اسلام کی دی ہوئی یہ ملکیت آزاد اور بے لگام نہیں۔ چنانچہ اسلام اسکے لئے حدود مقرر کرتا ہے۔ کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

اب رہا سوال کہ سماج کا ایک طبقہ اگر ظلم کی حد تک نجی ملکیت کا غلط استعمال کرتا ہے تو بلاشبہ یہ اس کا قصور ہے۔ انفرادی ملکیت کا نظریہ اس سے کسی معنیٰ میں متاثر نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ خرابی اور فساد کا ناسور ان افراد میں ہے نہ کہ اس نظریے میں۔ ورنہ تجربہ شاہد ہے کہ دل اور ضمیر پاک ہو تو وہی دولت خیر و برکت کا سرچشمہ بن جاتی ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:۔

نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ (احمد۔ طبرانی) دولت نیک آدمی کا بہترین سرمایہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام ضمیر اور نفس کی اصلاح و تربیت پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے۔ پھر قانون کو چوکس اور رائے عامہ کو بیدار رکھتا ہے۔ تاکہ نفس کو شرارت کا موقع نہ ملے۔

۳۔ علاوہ ازیں اسلام افراد اور جماعتوں کے درمیان اخوت اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کی اسپرٹ پیدا کرتا ہے تاکہ عداوت اور طبقاتی کش مکش کی نوبت نہ آئے۔ اسلئے کہ اسلام کی نظر میں حسد اور دشمنی خود بہت بڑی آفت ہے جو اعمال کو اس طرح غارت کرتی ہے جیسے آگ سوکھی لکڑی کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قومی روگ کا نام دیا ہے، جس سے پوری پوری قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

اور اگر اس قدر پیش بندیوں کے بعد بھی بدقسمتی سے امت کسی انتشار کا شکار ہوتی ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اسلام معاشرے کے ذمہ دار افراد کو فتنہ و شر کے رفع کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور ایسے نازک وقت میں روزہ، نماز اور صدقہ خیرات

جیسی عبادتوں کی ادائیگی کو ثانوی حیثیت دیتاہے ۔ نیز اسلئے کہ ایمان اور اخوتِ اسلامی کا یہی تقاضہ ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے :۔

انما المومنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم — مسلمان آپس میں سب بھائی بھائی ہیں ، تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو۔ (حجرات : ۱۰)

بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :۔

كونوا عباد الله اخوانا — بندگان خدا آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔

اسلام کی یہ وہ اسپرٹ ہے جو اسلام کو ان تمام مذاہب کے خلاف صف آرا کرتی ہے جن کا بنیادی تخیّل زرداروں اور ناداروں میں کینہ و حسد کی آگ بھڑکانا اور اسکو ہوا دینا ہے ۔ اور یہ صرف اس لئے کہ بھائی چارہ اور آپس کی صلح و صفائی اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے ۔ قرآن حکیم اسی کی دعوت دیتا ہے ۔ اور احادیث نبوی اسی کی تائید کرتی ہیں ۔

لیکن خدارا ان تعلیمات کا موازنہ مسلمانوں کے موجودہ طریق زندگی سے ہرگز نہ کیجئے ، اگر ان تعلیمات کا صحیح اور سچا نمونہ دیکھنا ہو تو ابتدائے اسلام کے زرّیں دور کو دیکھئے ، جہاں ایک طرف عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ اور عثمان غنی رضؓ جیسے مال دار صحابہ تھے ، جن کے یہاں سیم وزر کی فراوانی تھی ، لیکن دوسری طرف ان ہی کے پہلو بہ پہلو ابوہریرہؓ ، ابوذر اور بلال (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جیسے مفلس اور نادار صحابہ بھی موجود تھے ۔ جن کی تنگ دستی محتاج بیان نہیں ۔ لیکن کیا تاریخ بتا سکتی ہے کہ ان میں باہمی نفرت اور بغض و حسد کسی درجہ موجود تھا ؟ یا کوئی سرمایہ دار کسی نادار کو دیکھ کر اکڑتا یا اتراتا تھا ؟ نہیں ! بلکہ یہ سب اسلامی وا داری اور وسیع النظری سے سرشار اپنے معبود حقیقی کے فرمان کے مطابق آپس میں بھائی چارے کے رشتے

سے منسلک تھے۔

۴ پھر اسلام یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ ایک مسئلے کے حل کے لئے اس سے سنگین مسائل پیدا کر دیئے جائیں جب کہ دوسری طرف کمیونزم اور اشتراکیت کی تمام تر کوشش یہی ہوتی ہے کہ غریبی اور عام اقتصادی بدحالی کو دور کرنے کے لئے قومی آزادی کا گلا گھونٹ دیا جائے اور ایسی سفاک اور خود غرض آمریت قائم کر دی جائے جو روزگار اور اناج کے ذخیروں پر پہرے بٹھا دے، آزادانہ نقل و حرکت اور نجی ملکیت کو خواب و خیال بنا دے اور ساری قوم کو ایسے شکنجے میں کس دے جس میں ہر کوئی خود کو غلام محسوس کرے اور صرف ایک فرد کو سربراہی اور بالادستی حاصل رہے، جو پولیس فورس، انٹیلی جنس، حوالات اور خفیہ تہ خانوں اور اذیت خانوں کے زور پر پورے ملک کو ایک وسیع جیل خانے میں تبدیل کر دے اور عوام اس فورس سے مرعوب ہو کر اپنے اور بال بچوں کی خیر منانے کے لئے چپ سادھ لیں اور طوق غلامی اپنے گلے میں ڈال لیں۔ اور اس کے سوا وہ کیا کریں گے، بھلا تن تنہا اس کے مقابلے میں چوں چرا کی ہمت ان میں کہاں سے آئے گی؟ جو مختار کل اور ڈکٹیٹر بن کر اقتدار اعلیٰ کو اپنی مٹھی میں لئے ہو۔ اور جو بزبان حال، ان کا اور ان کی اولاد کا ان داتا، خود کو تصور کرتا ہو —— قرآن کریم مجبوری کی اس زندگی کو دور غلامی سے اسی لئے تعبیر کرتا ہے کہ قوت ارادی آدمی کے اندر بیداری اور جرأت پیدا کرتی ہے جس کے بعد آدمی صحیح معنی میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر دوسروں کی خاطر خواہ نگہداشت بھی کر سکتا ہے اور غلام ان اوصاف سے عاری اور تہی دست ہوتا ہے۔ !

قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا — اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک

لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ (نحل — ۷۵)

غلام ہے مملوک اسے کسی چیز کا اختیار نہیں۔ اور ایک شخص ہے جسکو ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دی ہے وہ اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتا ہے کیا (اس قسم کے شخص) آپس میں برابر ہوسکتے ہیں؟۔

قرآن پاک کی نظر میں غلام کا تصور یہ ہے کہ وہ بے بس ہوتا ہے۔ ہر قسم کے قبضۂ قدرت اور ملکیت سے خالی ہوتا ہے، رہا آزاد ، تو سچ مچ وہ آزاد اور بااختیار ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے کرسکتا ہے۔

قرآن کریم کی نظر میں آزاد و خود مختار وہ ہے۔

مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا (نحل — ۷۵)

اور ایک شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دی ہے وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے۔

یعنی جو مالک و مختار ہو، جو مخفی اور اعلانیہ اپنی دولت کو اپنے ایمان اور اپنے دل اور ضمیر کے اشاروں پر خرچ کرے۔

۵ شخصی آزادی، اور نجی ملکیت پر قدغن لگانے کے بعد تحریک کے اس دور میں اشتراکیوں نے عوامی مفاد، صنعتی اور زراعتی انقلاب، اور ملک میں عام اصلاحات کے نام سے بے شمار بلند بانگ دعوے اور اونچے وعدے کئے اور نت نئے عجیب و غریب فارمولے عوام کے سامنے پیش کئے، لیکن سچ پوچھئے تو غریبی ہٹانے، اور غریبوں کی مشکلات کو دور کرنے میں انھیں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوسکی اتنا ضرور ہوا کہ ان کے اوچھے ہتھکنڈوں سے زچ ہوکر سرمایہ داروں نے کہیں اُنکے

سامنے سپر ڈال دی، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ناداروں کو وہ ان کی جگہ سے بلند نہ کر سکے اور اگر غریبی کو عام کرنا اور غریبوں کے معیار زندگی کو پست کر دینا ہی ان کی انتہائی آرزو تھی، تو بے شک کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے کمیونسٹ اور اشتراکی بھائیوں کی آرزو پوری ہوئی، اور ان کی محنت ٹھکانے لگی اس لئے کہ ہر سیاح جو کسی بھی مارکسی ملک کا دورہ کرتا ہے، اسے وہاں معیار زندگی کی پستی، فی کس آمدنی کے تناسب میں بے حد کمی اور زندگی کی حقیقی لذتوں سے ان کی محرومی صاف نظر آتی ہے۔ جیسا کہ اعداد و شمار کی رپورٹ سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے:۔ (دفتر اعداد و شمار یو۔این۔او نے چند سال پہلے اس رپورٹ کو شائع کیا)

مُلک	فی کس سالانہ آمدنی	ڈالر	تقریباً	اعداد	پاؤنڈ
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۱۴۵۳	"	"	۵۵۰	"
کینیڈا	۸۷۵	"	"	۳۰۰	"
سوئزرلینڈ	۷۴۹	"	"	۲۹۰	"
سویڈن	۷۸۰	"	"	۲۶۰	"
برطانیہ	۷۷۳	"	"	۲۵۵	"
ڈنمارک	۶۸۹	"	"	۲۴۰	"
آسٹریلیا	۶۱۹	"	"	۲۳۵	"
بلجیم	۵۸۲	"	"	۲۱۰	"
ہالینڈ	۵۰۲	"	"	۱۹۰	"
فرانس	۴۸۲	"	"	۱۸۰	"

ممالک	فی کس سالانہ آمدنی	ڈالر	تقریباً	اعداد	پاؤنڈ
زیکوسلاویہ	۳۷۱	″	″	۱۴۰	″
روس	۳۰۸	″	″	۱۱۰	″
پولینڈ	۳۰۰	″	″	۱۰۵	″
ہنگری	۲۶۹	″	″	۱۰۰	″
چین	۲۷	″	″	۱۰	″

(النظام الشیوعی)

اور اگر کمیونسٹ ملکوں میں اقتصادی بدحالی کی یہ تاویل کی جائے کہ وہاں کمیونسٹ اصولوں پر کماحقہٗ عمل نہ کیا گیا تو یہ بے معنیٰ سی بات ہوگی ! اس لئے کہ کوتاہی اور خرابی عملدرآمد میں نہیں، خود ان اصولوں کے اندر موجود ہے۔ ورنہ خود سوچئے کہ جس جگہ ایک ذاتی ملکیت کا خاتمہ کر دیا جائے وہاں کے افراد میں کام کی لگن اور پیداوار میں اضافے کے لئے جوش و ولولہ کیونکر پیدا ہوگا ؟ نیز ایسے افراد کس کام کے ہوں گے، جو خود کے تو مالک ہوں گے، لیکن ان کی روح اور عقل دوسروں کی غلام ہوگی۔

یہ انھیں اسباب کا نتیجہ تھا کہ ان کے یہاں زندگی کے مختلف شعبوں میں عام گراوٹ رونما ہوتی رہی اور خود ان سرمایہ داروں کے مقابلے میں ان کی حالت روز بروز ابتر ہوتی رہی جنھیں کم از کم مکمل اختیارات اور آزادیٔ رائے بہر حال حاصل تھی۔

اور بالآخر وہ زمانہ آیا جب کہ اپنی یہ پستی اشتراکیوں کے دل کی خلش بن گئی

اور خود ان کی صفوں میں بالا بالا اس پر تنقیدیں ہونے لگیں اور ان کی نگاہیں پھر اس نظام کی طرف اٹھنے لگیں، جس سے کبھی انھوں نے نفرت بھی کی تھی۔ !

٦ــــ غرض مارکسسٹ اصولوں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ سماج کے اندر موجود اپاہجوں، بیواؤں اور ناداروں کے لئے ان کے یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ انھیں بس پڑے گرے کچھ ٹکرے ہی مل سکتے ہیں جو بڑی جھڑکیوں اور ڈانٹ ڈپٹ کے بعد ان کے ہاتھ لگتے ہیں۔ ہاں ان کی تمام تر توجہ "پرولتاری گروپ" یعنی محنت کش مزدوروں اور کسانوں پر مبذول ہوتی ہے جنھیں وہ سماج میں سنسنی پھیلانے اور سیاسی توڑ جوڑ کے لئے استعمال کرتے ہیں پھر ان مزدوروں کو بھی مزدوری کی مقررہ اُجرت ملتی ہے۔ اسلئے کہ ان کا فلسفہ یہ ہے کہ:-

"جو کما نہ سکے، اُسے کھانے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

ڈانٹ پھٹکار اور جھڑکیاں ان کا مقدر ہے، یا روٹی کے پڑے گرے کچھ ٹکڑے[1]۔

ع نصیبِ تنش جامۂ تار تارے !

خلاصہ ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اسلام غریبی کو ایک ایسا مسئلہ سمجھتا ہے جس کا حل ممکن ہے، ساتھ ہی خود اس کے امکانی علاج

---

[1] واضح رہے کہ مارکسسٹ کیمونسٹوں کا مذہب کے بارے میں کیا عقیدہ ہے، دین و مذہب کا وہ کس طرح انکار کرتے ہیں، کفر و الحاد پر مبنی باطل عقائد کو بنیاد بنا کر ہر اصلاحی تحریک کو کس طرح مذاق اور تنقید کا نشانہ بناتے ہیں؟۔ یہ اور اس قبیل کے دیگر امور سردست ہمارے موضوع سے خارج ہیں، اسی لئے ہم نے ان کے صرف ان نظریات کو درج کیا ہے جن کا تعلق غریبی اور اس کے علاج سے ہے۔ اور یہی اس کتاب کا موضوع ہے۔

کی نشاندہی کرتے ہوئے اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ غریبی کے خلاف جنگ کسی صورت میں مشیت الٰہی اور تقدیر سے جنگ کرنے کے مترادف نہیں۔ لیکن بایں ہمہ اسلام اسے پسند نہیں کرتا کہ غریبی کو نعمت الٰہی، اور دولت کو گناہوں کی فوری سزا تصوّر کیا جائے۔

● اسلام اسے بھی پسند نہیں کرتا کہ غریبی کو تقدیر کا اٹل فیصلہ سمجھ کر اس کے آگے سپر ڈالنے کی تلقین کی جائے، یا اس کے ازالہ کی تدبیر سوچنے کی بجائے اس پر خوشیاں منائی جائیں!

● اسلام اس عقیدے کو بھی درست نہیں خیال کرتا کہ غریبی کے علاج کو شخصی خیرات میں مضمر مانا جائے۔

● اسی طرح غریبوں سے متعلق سرمایہ داروں اور حکومت کے اس رویّے کی اسلام مخالفت کرتا ہے جس کی نمائندگی آزاد سرمایہ دارانہ نظام کرتا ہے، جب کہ ان ہی میں خود کو اعتدال پسند سمجھنے والے لوگ بھی موجود ہیں جو پیوندکاری اور شگاف کو سلائی سے بند کرنے کی ناکام کوششوں میں سرگرداں ہیں۔

● اسلام ان افراد کو بھی پوری شدّت سے نظرانداز کرتا ہے، جو سرمایہ داروں سے برسرِ پیکار ہیں، اگرچہ اس خلفشار کو وہ قانونی جنگ کا نام کیوں نہ دیتے ہوں اس لئے کہ جن کے خلاف یہ صف آرا ہیں، ان میں سبھی لوٹ کھسوٹ اور حق تلفی کے مجرم نہیں ہوتے، بلکہ بہت سے ایسے ہوتے ہیں، جو حلال اور گاڑھی کمائی سے دولت مند بنتے ہیں۔ اور اس کے حقوق کا لحاظ کرتے ہیں۔

● اسلام ان تمام انتہاپسند جانبدار نظریوں کو ٹھکراتا ہے، جو سیدھی راہ سے بہت دور، افراط یا تفریط میں مبتلا ہیں۔

ان پیچ دار بھول بھلیوں سے ہٹ کر اسلام کچھ مثبت علاج تجویز کرتا ہے
چند تعمیری اور قابل استعمال وسائل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جن کی تفصیل ہم آئندہ
پیش کر رہے ہیں۔
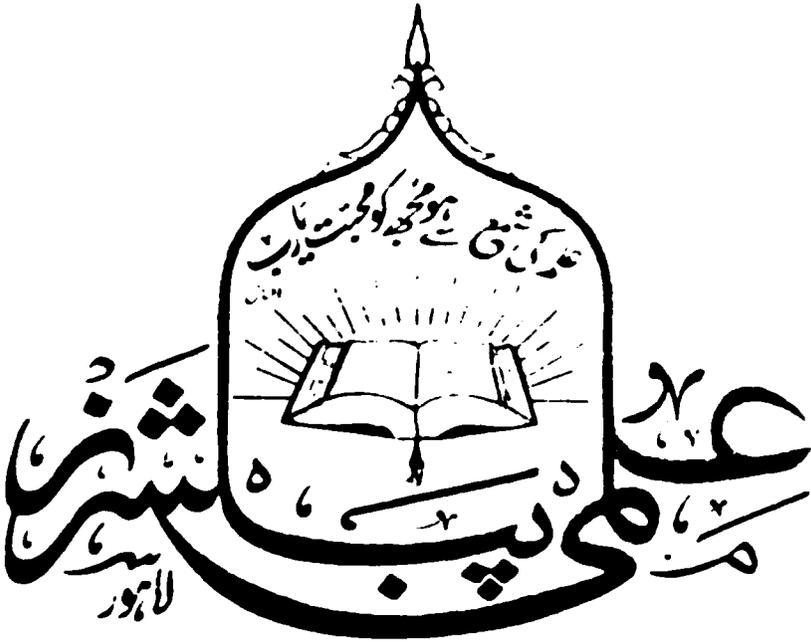
بابِ سوم

اسلامی ذرائع ——— پہلا ذریعہ

- ——— حرکت و عمل
- ——— محنت سے گریز
- ——— حکایت
- ——— توکل کا غلط مفہوم
- ——— رہبانیت اور اسلام
- ——— مختلف معاشی وسائل حدیث کی روشنی میں تجارت
- ——— زراعت ۔ دست کاری
- ——— کسی کام میں شرم نہیں ۔
- ——— تلاشِ معاش
- ——— بھیک اور گداگری
- ———
- ——— گداگروں کے ہتھکنڈے ۔
- ——— فراہمی روزگار ۔
- ——— خلاصہ ۔

اسلامی ذرائع

اس میں شک نہیں کہ اسلام غریبی کی مذمت ، اور ہر محاذ پر اس کے خلاف جنگ اس لئے کرتا ہے . تاکہ عقائد اور رہن سہن کے طریقوں میں بگاڑ نہ آئے، خاندان اور سماج کی حفاظت ہو . اور خاص طور پر ایسے سماج کی تعمیر ہو سکے . جس میں ہر فرد اخوت اور مساوات کے مخلصانہ جذبات سے سرشار ہو، اور یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ تب ہوگا ، جبکہ لوگوں کے پاس کھانے پینے اور رہنے سہنے کے لئے ، اسی طرح دیگر ضروریات زندگی کی تکمیل کیلئے اس قدر اسباب فراہم ہوں . جو ان کے اور ان کے بال بچوں کیلئے بڑی حد تک کافی ہوں ، اور انکی انفرادی ، اجتماعی ، یا ازدواجی زندگی کسی کدورت اور میل کے بغیر اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس سے تعلق استوار کرنے میں بسر ہو ، اور اگر خیر سے کسی مسلم معاشرے یا اسلامی ملک میں کوئی غیر مسلم ، امان لے کر سکونت پذیر ہو، تو رہائش اور ہمہ قسم کی آسائش . کے اسباب اس کے لئے بھی فراہم ہوں ، اور اپنے بال بچوں کے ساتھ اس کی گذران بھی راحت و آرام سے ہو سکے ، لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ اسلام کے وہ ذرائع کیا ہیں ، اور اسلامی معاشرے میں رہنے والے افراد کو یہ چیزیں کیونکر میسر آ سکتی ہیں .

پہلا ذریعہ ــ حرکت و عمل

بطور جواب آئندہ سطروں میں انھیں ذرائع اور وسائل کو سلسلہ وار پیش کیا جاتا ہے ـــ اسلام معاشرے کے

ہر شخص سے مطالبہ کرتا ہے کہ جب قدرت کا اتنا بڑا کارخانہ صرف اس کے لئے حرکت و عمل میں مصروف ہے تو اس کا بھی یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اپنے ہاتھ پیر کو حرکت دے، محنت سے گریز نہ کرے، اور قرب و جوار میں چل پھر کر اپنی روزی خود تلاش کرے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوا مِنْ رِزْقِهِ۔

(ملک ــ ۱۵)

وہ ایسا منعم ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کیا، سو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور خدا کی روزی میں سے (جو زمین میں پیدا کی ہے) کھاؤ پیو۔

عمل سے مراد وہ مناسب روزگار ہے، جس سے اپنے اور اپنے خاندان .... کیلئے خاطر خواہ روزی کا سامان ہو سکے۔

اس میں شک نہیں کہ زندگی کے جہاد میں محنت و مشقت اور حرکت و عمل وہ حربہ ہے جس کے ذریعہ انسان دولت پیدا کر سکتا ہے۔ زمین کے اس ویرانے کو آباد کر سکتا ہے اور غریبی اور ناداری کے خلاف فیصلہ کن جنگ کر سکتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی زبان سے قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا۔

(ھود ــ ٦١)

اے میری قوم، تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اس نے تم کو زمین کے مادے سے پیدا کیا۔ اور اسنے تم کو اس میں آباد کیا۔

ا ــــ علاوہ ازیں اسلامی سوسائیٹی کی ایک ممتاز خوبی یہ ہے کہ وہ ہر شخص کو اس

بات کی پوری آزادی دیتی ہے کہ پیدائش دولت کے لئے جس پیشے کو چاہے اختیار کرے خواہ ادنیٰ ہی پیشہ کیوں نہ ہو۔ لیکن کسی کو ایسے کام کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا جو اس کی فطرت کے خلاف یا اس کے معاشرے کیلئے ضرر رساں ہو۔

اسلام میں حرام ٹھہرائے گئے کاموں کی علت عموماً یہی ہوتی ہے۔

ب ۔ لیکن معاذ اللہ اسلام اس کی بھی تائید کرتا ہے کہ حرکت و عمل سے روزگار اور روزگار سے روزی اور تن آسانی کی فراہمی ایک امر بدیہی ہے۔ لیکن یہ خواب اس وقت شرمندہ تعبیر ہوگا، جب سماج، ملک اور ملکی سیاست پر اسلام اور اسلامی تہذیب و ہدایات کی چھاپ نمایاں ہوگی۔

چنانچہ کارکردگی اور محنت کے معیار کو بلند کرنے اور مالک و مزدور کے درمیان رونما ہونے والے مسائل کے تصفیئے کے لئے اسلام نے جو اخلاقی ضابطے مقرر کئے ہیں ان کے پیش نظر یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ایک محنت کش مزدور بھی ہر قسم کے جھگڑوں اور پریشانیوں سے یکسو ہو کر محض اپنی مزدوری کے سہارے اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکتا ہے اور دوسرے رشتے داروں کے حقوق بھی ادا کر سکتا ہے۔ اسلئے کہ اسلام سکھاتا ہے کہ پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدور کی محنت کا ثمرہ بلا کم و کاست اسکے ہاتھوں میں پہنچا دیا جائے۔

اسلام کی نظر میں ایسے لوگ بدترین ظالم ہوتے ہیں، جو طے شدہ اُجرت میں کمی کرتے ہیں یا سرے سے اسکی ادائیگی کی کوئی فکر نہیں کرتے اور یہ طے ہے کہ اسلام مظالم کو سخت ترین حرام سمجھتا ہے۔

اسلام سکھاتا ہے کہ مال و دولت اللہ کا فضل ہے، جسے حاصل کرنے کے لئے ہر جائز کوشش درست ہے، اور ہر مسلمان کو اس سلسلے میں مکمل مذہبی

آزادی حاصل ہے۔ اسلام اس کی کھلی اجازت دیتا ہے کہ آدمی اپنی پس انداز کردہ دولت سے کسی بھی قسم کی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد کی خرید و فروخت کرے۔

محنت سے گریز

اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ آدمی کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی نہ گذارتے ہوئے ایسے وسائل اختیار کرے جن سے اس کا معیار زندگی بلند ہو۔ اسکی بیماری اور کبر سنی کے دن سکھ چین سے بسر ہوں، اور اس کے بعد اس کے بچے دربدر کی ٹھوکریں نہ کھاتے پھریں۔

اسی لئے اسلام نے بہت پہلے سے ان فاسد اوہام اور باطل خیالات کی جڑیں کاٹ دیں جن کے ہوتے ہوئے آدمی محنتی اور جفاکش بننے کی بجائے کاہل اور سست بن جاتا ہے۔

(الف)۔ چنانچہ کچھ لوگوں کو یہ وہم ہو جاتا ہے کہ انھیں خدا پر بھروسہ ہے۔ اس نے پیدا کیا ہے تو روزی بھی وہی دے گا۔ خواہ اس کے کیلئے محنت مشقت کی جائے یا نہ کیجائے ۔۔۔ اسلام اس قماش کے لوگوں کو نا سمجھ تصور کرتا ہے۔ اس لئے کہ توکل اور خدا پر بھروسہ کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آدمی محنت کرنے اور اسباب کے استعمال کرنے سے گریز کرے۔ اور ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھ رہے۔ بلکہ مسلمانوں کا شیوہ ہے کہ وہ اسباب کو کام میں لائیں گے۔ چنانچہ کھیتی کرنی ہو تو پہلے زمین درست کریں گے، پھر بیج ڈالیں گے۔ البتہ نتیجہ خدا پر چھوڑ دیں گے۔

زمانۂ نبوی ؐ کا واقعہ ہے کہ جب ایک بدوی نے اپنی اونٹنی مسجد نبوی ؐ کے دروازے پر کھلی چھوڑ دی، اور اپنی دانست کے مطابق خدا پر توکل کرنا چاہا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے انھیں فہمائش کی، اور فرمایا کہ :

اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ (دیکھو!) اسے باندھ لو، پھر خدا پر بھروسہ کرو۔

(ترمذی - ابن ماجہ)

حکایت

اسی مفہوم کی ایک حکایت ہمیں صوفیا کے یہاں ملتی ہے۔ کہتے ہیں کہ :
حضرت شقیق بلخیؒ تاجر پیشہ تھے۔ ایک بار تجارت کی غرض سے سفر پر نکلنے سے پہلے اپنے دوست حضرت ابراہیم ادہمؒ سے ملنے گئے، اس لئے کہ ان کا خیال تھا کہ ممکن ہے سفر میں مہینوں لگیں پھر جانے کب ملاقات ہو؟ لیکن توقع کے خلاف چند ہی دن گذرے تھے کہ شقیق سفر سے واپس آ گئے، اگلے روز ابراہیم ادہمؒ نے جب انھیں مسجد میں حاضر دیکھا تو حیرت سے کہا: کیوں شقیق! اتنی جلدی لوٹ آئے؟ شقیق نے جواب دیا، جناب! کیا عرض کروں، راستے میں میں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا اور وہیں سے اُلٹے پیر لوٹ آیا! — ہوا یہ کہ میں نے نسبتاً ایک غیر آباد جگہ تکان دور کرنے کے لئے پڑاؤ ڈالا۔ وہیں میں نے ایک پرندے کو دیکھا، جو آنکھ اور قوت پرواز سے یکسر محروم تھا، مجھے خیال آیا۔ بھلا ایسی دور افتادہ جگہ اس بے چارے کی گذر بسر کیسے ہوتی ہوگی؟ ابھی میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ میں نے ایک دوسرے پرندے کو دیکھا۔ اس کی چونچ میں کوئی چیز دبی ہوئی تھی، اس نے آتے ہی وہ چیز پرندے کے آگے ڈال دی، اور چلا گیا، اس طرح اس نے کئی پھیرے کئے، اور بالآخر پہلے پرندے کا پیٹ بھر گیا۔ میں نے سوچا سُبحان اللہ! خدا جب ایسی دور افتادہ جگہ رزق پہنچا سکتا ہے تو اس طرح شہر در شہر بھٹکنے کی مجھے کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ میں مزید

آگے سفر جاری رکھنے سے باز آیا، اور گھر کی راہ لی۔

یہ سن کر ابراہیم ادہمؒ نے کہا، شقیق تمہارے اسطرح سوچنے سے سخت مایوسی ہوئی، آخر اس اپاہج پرندے کی طرح بننا تم نے کیوں پسند کیا جس کی زندگی دوسروں کے ٹکڑوں پر کٹ رہی ہو؟ تم نے یہ کیوں نہیں چاہا کہ تمہاری شان اُس پرندے کی سی ہو جو اپنا پیٹ بھی پالتا ہے اور دوسروں کا پیٹ پالنے کے لئے بھی کوشاں رہتا ہے کیا تم بھول گئے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بدرجہا بہتر ہوتا ہے؟ شقیق نے یہ سنا تو بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھے، ابراہیم ادہم کا ہاتھ چوما... اور کہا ابواسحاق! تم نے میری آنکھیں کھول دیں، اور پھر اگلے دن سے انھوں نے دوبارہ تجارت شروع کر دی۔

توکل کا غلط مفہوم

(۱) کچھ لوگ محنت مشقت اور کام کاج سے بچنے کے لئے اس حدیث کا سہارا لیتے ہیں۔ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لو انکم کنتم توکلون	اگر تم خدا پر بھروسہ کرو تو پرندوں کی طرح
علے اللہ حق توکلہ لرزقتم	وہ تمہیں روزی عطا کرے گا تم پرندوں کو دیکھتے
کما ترزق الطیر تغدو خماصا	ہو کہ صبح خالی پیٹ گھونسلوں سے نکلتے ہیں،
وتروح بطانا۔ (ترمذی)	لیکن شام کو آسودہ ہو کر واپس آتے ہیں۔

ان لوگوں کی دانست میں حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا پر توکل کیا جائے، تو روزی خود بخود مل جاتی ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ یہی حدیث خود اُن کے مفروضے کو غلط ثابت کرتی ہے۔ اور حصولِ رزق کے لئے جد وجہد کرنے کی صاف طور پر دعوت دیتی ہے، اس لئے کہ یہ حدیث بتاتی ہے کہ پرندوں کا شکم سیر واپس

آنا اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب کہ رزق کی تلاش میں وہ نکل کھڑے ہوتے ہیں، اور دن بھر اسی فکر میں سرگرداں رہتے ہیں۔ گویا پرندوں کی دوا دوش ان کے لئے حصول رزق کا سبب ہے۔ اسی تمثیل کی رو سے صحابہ کرامؓ خشکی اور تری کا تجارتی سفر فرماتے تھے۔ یا پھر کھجوروں کے باغات اور نخلستانوں میں مصروف عمل رہا کرتے تھے۔ ان صحابہ کی پیروی ہمارے لئے بس ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے پوچھا، ایک شخص اس خیال سے گھر یا مسجد میں نشست جمائے ہے کہ مجھے کچھ کرنے کی چنداں حاجت نہیں۔ میرا رزق مجھے مل کر رہے گا۔ اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

آپ نے فرمایا، یہ شخص پرلے درجے کا جاہل ہے۔ اُسے نہیں معلوم کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

جَعَلَ رِزْقِی تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِی۔ (احمد)

خدا نے میرے رزق کو میرے نیزے کے نیچے چھپا رکھا ہے۔

درحقیقت باری تعالیٰ نے زمین کو بنایا تو اس میں خیر اور برکتوں کو ودیعت فرمائی، اور انسانوں اور تمام جانداروں کیلئے روزی اور زندگی کی جملہ ضروریات اس کے اندر مہیا فرمائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ○ (اعراف ــ ۱۰)

اور بے شک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کو جگہ دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامانِ زندگانی پیدا کیا۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

بنی آدم پر اپنے احسانات کا اظہار فرماتے ہوئے دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ (اسراء ــ ۷۰)

اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا۔ اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں۔

نیز فرمایا :۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ

(غافر ــ ۶۴)

اللہ ہی ہے جس نے زمین کو (مخلوق کا) قرارگاہ بنایا، سو عمدہ نقشہ بنایا اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو دیں، بس اللہ ہے تمہارا رب، سو بڑا عالیشان ہے۔ اللہ جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔

یہی نہیں، باری تعالیٰ نے زمین پر بسنے، اور تاقیامت اس کی پشت پر چلنے والے جملہ جانداروں کی روزی رسانی کی ذمّہ داری اپنے اوپر لے رکھی ہے۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے :۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔

(ھود ــ ۶)

اور کوئی رزق کھانے والا جانور روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمّے نہ ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ ۝ (ذاریات ــ ۵۸)

اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا نہایت قوّت والا ہے۔

بیشک زمین کی بیکراں پہنائی، سمندروں کی تہیں، اور آفاق کی وسعتیں رزق کے خزانوں اور روزی کے ذخیروں سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن قانونِ قدرت

یہ ٹھہرا کہ جس روزی کو اس نے ہر سو بکھیر دیا، جس کی بندوں تک بہم رسانی کا اس نے ذمہ لیا، اور جس کے تلاش وجستجو کے تمام راستے اس نے آسان فرمائے۔ بندہ اسکی طلب اور حصول کے لئے کمربستہ ہو اور اس کے لئے محنت مشقت اختیار کرے۔ اسی لئے باری تعالیٰ نے حصولِ رزق، اور اس کے لئے تگ ودو کو لازم وملزوم قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (ملک - ۱۵)
سو تم اس کے رستوں میں چلو۔ اور خدا کی روزی میں سے کھاؤ پیو۔

معلوم ہوا کہ تگ ودو کرنے والا شکم سیر ہوگا۔ اور جو صلاحیت واستعداد رکھتے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہوگا، حرماں نصیبی اس کا مقدر ہوگا۔

سورۂ جمعہ میں اسی مفہوم کو قدرے واضح طور پر پیش کیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (جمعہ - ۱۰)
پھر جب نماز جمعہ پوری ہو چکے، تو (اس وقت) تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو۔

یعنی جو کوئی فضل الٰہی کی تلاش اور معاش کے حصول میں سرگرم اور متحرک ہوگا، گوہر مراد سے ہمکنار ہوگا۔ لیکن جس نے غفلت برتی، اور کنارہ کش رہا وہ سخت محروم ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا یہ واقعہ تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ نماز کے بعد کچھ لوگ مسجد کے ایک گوشے میں اس خیال سے بیٹھ رہے کہ حصول رزق کے لئے انھوں نے ابھی ابھی جو دُعا کی ہے۔ اس کے صلے میں خدا انکی روزی وہیں پہنچا دے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب انھیں دیکھا۔ اور ان کی

سرگذشت سنی تو اپنا کوڑا تان کر فرمایا "اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے کیوں بیٹھے ہو؟
جب کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ آسمان سے نہ کبھی سونا برسا ہے اور نہ چاندی !
کیا خداوند عالم نے نہیں فرمایا؟"

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (جمعہ - ۱۰)

پھر جب نماز جمعہ پوری ہو چکے تو، (اس وقت) تم کو اجازت ہے کہ، تم زمین پر چلو پھرو۔ اور خدا کی روزی تلاش کرو۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسی کوڑے میں قانون کی حکمرانی اور اس کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اس لئے کہ نرمی سے بات نہ سمجھنے والے سختی کے بعد ہی راہ راست پر آتے ہیں۔

رہبانیت اور اسلام

(ب) کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پورے طور پر اللہ کی عبادت اور بندگی کے لئے گوشہ نشینی اختیار کر لینی چاہیئے۔ چنانچہ اس رجحان کے تحت وہ ہر قسم کے کام کاج سے الگ ہو کر تارک الدنیا فقیروں اور سادھو سنیاسیوں کی طرح دنیا ہی سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم بھی یہی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (ذاریات - ۵۶)

اور میں نے جن اور انسانوں کو اسی واسطے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کیا کریں۔

ایسے لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ

اسلام کسی طرح کی رہبانیت کا قائل نہیں

اس کے برعکس اسلام کی نظر میں ہر وہ کام عبادت میں شمار ہوتا ہے جو اخلاص اور

للّٰہیت کے جذبے کے ساتھ کیا جائے، اسی طرح اگر کوئی حرام سے دامن بچانے کے لئے یا اپنے اہل وعیال کی کفالت یا رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے فکر معاش میں سرگرداں رہے۔ تو اُسے خدا کی راہ میں جہاد تصور کیا جاتا ہے۔

اسی لئے باری تعالیٰ نے فکر معاش کی تگ ودو، اور خدا کی راہ میں جہاد کو اس آیت میں ایک ساتھ ذکر فرمایا،

وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (مزمل۔ ۲۰)	اور بعضے تلاش معاش کیلئے ملک میں سفر کریں گے، اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور مقولہ ہے۔ آپ نے فرمایا،

"خدا کی راہ میں لڑتے ہوئے جان دینے کی خواہش کے بعد جس دوسری موت کی میں تمنا کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ حصول رزق اور فارغ البالی کی تلاش میں میری موت واقع ہو پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ"۔ (سنن سعید بن منصور)

مختلف معاشی وسائل حدیث کی روشنی میں

(مال ودولت حاصل کرنے کے بہترین ذرائع تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت وغیرہ ہیں۔

ذیل کی حدیثوں کا مطالعہ کرتے ہوئے غور کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کاموں کی ترغیب کس طرح دلائی ہے۔)

—۰—

تجارت

تجارت کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا :-

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء

سچے تاجر کا حشر انبیاء، وصدیقین اور شہداء، صالحین کے ساتھ ہوگا۔

(ترمذی)

زراعت

زراعت اور کاشتکاری کے بارے میں آپؐ نے فرمایا۔

مامن مسلم یزرع زرعًا اوْ یغرس غرسا فیاکل منه طیرٌ اوانسان اوبھیمة الاکان لهٗ به صدقة (بخاری)

جب مسلمان کاشتکاری کرتا ہے۔ یا کوئی پودا لگاتا ہے اور پھر اس سے کوئی پرندہ، چوپایہ یا انسان مستفید ہوتا ہے تو اس کی طرف سے یہ عمل صدقہ تصور کیا جاتا ہے۔

دستکاری

دستکاری اور صنعت وحرفت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپؐ نے فرمایا۔

ما اکل اَحَدٌ طعاماً قط خیراً من ان یاکل من عمل یدہٖ

کسی آدمی نے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے زیادہ لذیذ کھانا نہیں کھایا ہوگا۔ (بخاری)

من امسیٰ کالا من عمل یدیه امسیٰ مغفوراًله (طبرانی)

جو شخص کام کرتے کرتے شام کردے اور تھک جائے۔ خدا اسے معاف فرمائے گا۔

نیز یہ بھی فرمایا :-

من بات کالا من طلب الحلال بات مغفورا لہ

جو شخص رزق حلال کے لئے سرگردان رہے اور اسی فکر میں پڑ کر سو رہے خدا اُسے معاف فرمائے گا۔ (ابن عساکر، سیوطی)

مشہور تابعی امام ابراہیم نخعیؒ سے کسی نے پوچھا، امانت دار تاجر اور عبادت گذار صوفی میں آپ کس کو ترجیح دیں گے آپ نے فرمایا، امانت دار تاجر میری نظر میں افضل ہے۔ اس لئے کہ شیطان ہر صورت میں اسے ورغلاتا ہے۔ کبھی ناپ تول، اور کبھی لین دین میں اسے الجھاتا ہے۔ لیکن یہ اسے شکست پر شکست دیتا جاتا ہے۔ ایک نامور صوفی اور بزرگ شیخ شعرانیؒ اپنے ملفوظات میں کاری گروں کو عبادت گذاروں پر فوقیت دیتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ بتاتے تھے کہ عبادت کرنے سے صرف عابد کو نفع پہنچتا ہے جب کہ صنعت و حرفت سے بہت سوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ کتنا اچھا ہو کہ درزی اپنی سوئی کو اور بڑھئی اپنی آری کو تسبیح کا دانہ قرار دے، ۔ یعنی یہ لوگ کام بھی کرتے رہیں۔ اور ساتھ ساتھ یادِ الٰہی میں بھی مصروف رہیں۔

کسی کام میں شرم نہیں

(ج) کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو پیشوں کے بارے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں کام ان کی شان کے خلاف ہے۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو بھوک اور افلاس سے تنگ آکر دربدر بھیک مانگنا گوارہ کر لیتے ہیں لیکن کام کرنا پسند نہیں کرتے ۔

اسلام سے پہلے عربوں میں کام نہ کرنے اور کام کو حقیر سمجھنے کی ذہنیت عام تھی۔ چنانچہ عرب شاعر اپنے حریف کی ہجو کرتے ہوئے پوری شدت سے اس بات کو اچھالتا تھا کہ اس کا مقابل فلاں لوہار کا بیٹا اور فلاں لوہار کا پوتا ہے لیکن اسلام نے آکر دنیا والوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ روزی حاصل کرنے کے لئے اگر چھوٹے سے چھوٹا پیشہ اختیار کرنا پڑے تو اس میں شرم نہیں محسوس کرنی چاہئے اسلئے کہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ پیشہ ور اچھے ہوں یا برے ہوں لیکن کوئی پیشہ خواہ کتنا ہی حقیر کیوں نہ سمجھا جائے اگر اس سے رزق حلال حاصل ہوتا ہے تو وہ برا نہیں ہو سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر فرمایا۔

لَاَن یاخذ احدکم حبلہ فیاتی بحزمۃ الحطب علیٰ ظھرہ فیبیعھا نیکف اللہ بھا وَجھہ خیر مّن اَنْ یّسْئَال الناس، اعطوہ، او منعوہ۔ (بخاری)

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر تم میں سے کوئی رسّی لے کر جنگل جائے لکڑی کاٹے اور اسے اپنی پیٹھ پر لاد کر بازار میں فروخت کر دے تو یہ اس کے لئے دربدر ٹھوکریں کھانے سے بہتر ہے جبکہ بھیک بھی کبھی ملتی ہے کبھی نہیں ملتی۔

اس حدیث کی روشنی میں پیغمبر علیہ السلام نے یہ دکھانا چاہا کہ ہر چند کہ جنگل سے لکڑیاں لانے میں مشقت ہوتی ہے، رسوائی اور حقارت کا سامنا ہوتا ہے۔ اور اجرت بھی کم ملتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بیکار رہنے اور لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے، ایسا حقیر کام انجام دینا بہتر ہے۔

پیشے کی آزادی کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر اپنی اور دیگر انبیاء کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:۔

مابعث اللہ نبیاً الا ورعی الغنم ، قالوا وأنت یا رسول اللہ ؟ قال نعم ،کنت أرعاھا علی قراریط لأھل مکۃ

(بخاری)

خدا کے ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں صحابہ نے عرض کیا، خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں میں نے بھی اجرت پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

نیز فرمایا :۔

ما اکل أحد طعاما قط خیرا من عمل یدیہ وان نبی اللہ داؤد کان یاکل من عمل یدیہ۔

(بخاری)

کسی آدمی نے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے زیادہ لذیذ کھانا نہ کھایا ہوگا۔ خدا کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کام کر کے کھاتے تھے۔

حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ :۔

• حضرت داؤد علیہ السلام زرہ ساز تھے ، (یعنی زرہیں بنایا کرتے تھے ،) حضرت آدم ، حضرت نوح ، حضرت ادریس حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام بالترتیب :۔ کاشت کاری ، بڑھئی ، درزی ، اور بکریاں چرانے کا کام کرتے تھے۔"

(حاکم)

انبیاء علیہم السلام اور صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی اسی سنّت متوارثہ کا نتیجہ تھا کہ بعد میں آنے والے بہت سارے ائمہ عظام اور اکابر علماء جن کی زندگی پر ضخیم کتابیں بھی لکھی گئیں۔ اور خود ان کی علمی ادبی اور دینی تصانیف انہیں زندۂ جاوید کر گئیں ان میں بڑی تعداد ایسے افراد کی تھی، جو اپنے آباء واجداد یا کنبے اور قبیلوں کی طرف منسوب نہیں ہوئے بلکہ ان پیشوں اور ذرائع کی طرف ان کی نسبت ہوئی جن سے ان کی گذر بسر ہوا کرتی تھی۔

لیکن اسلامی تہذیب نے اپنے ان فرزندوں کے انتساب پر کبھی بھی کسی قسم کی ذلت یا کمتری کا احساس نہیں کیا، چنانچہ آج بھی ہم ان کے ناموں کے ساتھ بزاز (بساطی) قفال (قفل ساز) زجاج (شیشہ گر) خراز (موچی) جصاص (چونہ فروش) قطان (روئی فروش) خواص (کھجور کے پتے بیچنے والا) خیاط (درزی) حداد (آہنگر) صبان (صابن ساز) جیسی عزت اور نسبت موجود پاتے ہیں۔

تلاش معاش

(د) کچھ لوگ کام نہ کرنے کا یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ انھیں گھر بار دوست احباب سے قریب رہتے ہوئے کام نہیں ملتا۔ اور وطن سے دور، در بدر مارے مارے پھرنے سے انھیں سخت وحشت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ پردیس جا کر ٹھوکریں کھانے کی بجائے اپنے گھر میں روکھی پھیکی کھا کر سو رہنا ان کے لئے بہتر ہے۔

اسلام اسلام ایسے لوگوں کو خبردار کرتا ہے کہ وہ اس قسم کی کچی باتیں دل سے نکال دیں اور روزی کی تلاش میں نئے نئے میدانوں کی تلاش میں نکل پڑیں۔

اس لئے کہ خدا کی زمین بڑی کشادہ ہے۔ اور اس کا رزق بے پایاں ہے۔

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ انسان کی بلند ہمتی کا صلہ ہے کہ جب کوئی شخص روزی کی تلاش میں پردیس جاتا ہے، اور وہاں اس کا آخری وقت آجاتا ہے تو خدا اس کے وطن سے اس کی جائے وفات تک کے فاصلے کے برابر جگہ اس کو جنت میں عطا فرماتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا:-

سافروا تستغنوا (طبرانی بمنذری) ۔ سفر کرو بے نیازی پاؤ گے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ۔ (نساء۔ ۱۰۰)

اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی، اور بہت گنجائش۔

وآخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ (مزمل: ۲۰)

اور بعض اللہ کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں:-

"مدینہ منورہ کے رہنے والے ایک شخص کا انتقال ہوا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، نماز سے فراغت کے بعد آپ نے فرمایا: کاش اپنے وطن سے دور پردیس میں کہیں اس کی موت آتی، کسی نے پوچھا، یارسول اللہ! آخر کس لئے؟ آپ نے فرمایا، اسلئے کہ کوئی پردیس جاتا ہے اور وہیں اسکا آخری وقت آجاتا ہے تو باری تعالیٰ جنت میں اسے اتنی ہی زمین عطا فرماتے ہیں، جو اس کے وطن سے اس کی جائے پیدائش تک ہوتی ہے۔"

بیرونِ ملک کا سفر اختیار کیا۔ صحابہ نے کثیر تعداد میں سفرِ تجارت [illegible] زندگی

کو کسی منصب [illegible] نہ ہوئی ہوگی۔ کتاب و سنت کے نصوص کی بنا پر صحابہ کرام تن بہ تقدیر ہو کر

بیٹھے۔ اور [illegible] علم و رزق کے حصول کے لیے اطراف عالم میں پھیل گئے۔

حضرت [illegible] ایک اولو العزم خاتون تھیں۔ آپ کے متعدد لڑکے تھے لیکن [illegible]

یکجا نہ ہو سکے۔ کوئی کہیں جا بسا۔ کوئی کہیں آباد ہوا۔ [illegible]

فرزندوں سے متعلق ایک سوال کے جواب میں [illegible] نے کہا تھا کہ ان کے

عزم و حوصلے نے انھیں ہار کے بکھرے ہوئے دانوں کی طرح پھیلا دیا۔!

بھیک اور گداگری

(۵) کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو زکوٰۃ اور خیرات جمع کرنے کو پیشہ بنا لیتے ہیں اور پھر انھیں مانگنے کی اس قدر لت پڑ جاتی ہے کہ وہ نہ کوئی کام کرنا پسند کرتے ہیں، اور نہ مانگنے میں کسی قسم کی شرم و حیا محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب جسم کے اچھے اور ہاتھ پاؤں کے تندرست ہوتے ہیں اور کمانے کی پوری صلاحیت ان کے اندر موجود ہوتی ہے۔

حقیقت میں یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو لوگوں کے سامنے اپنی غریبی کا جھوٹا رونا روتے ہیں۔ چاپلوسی جی حضوری اور خوشامد کا سہارا لیکر مالداروں کے گرد منڈلاتے ہیں۔ بھیک کے ٹکڑوں پر گذارہ کرتے ہیں۔ لیکن محنت کی روٹی توڑنا گوارہ نہیں کرتے۔

ان لوگوں کے متعلق اسلام کا فیصلہ ہے کہ وہ جب تک تندرست ہیں، کمانے کی سکت رکھتے ہیں، انھیں زکوٰۃ اور خیرات لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پھر ان احادیث کی روشنی میں غور کیجئے کہ ناحق زکوٰۃ و خیرات، اور بھیک مانگنے والوں کا انجام

کیا ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہے، لاتحل الصدقہ... کسی غنی یا تندرست و توانا کیلئے صدقہ جائز نہیں۔ (ترمذی) ایک مرتبہ دو آدمی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور زکوٰۃ کے فنڈ سے کچھ رقم بطور امداد طلب کی آپ نے فرمایا۔

لاحظ فیھا لغنی ولا لقوی مکتسب۔ (احمد۔ ابوداؤد)	وہ شخص زکوٰۃ کا مستحق نہیں جو طاقت ور ہو اور کمانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یا یہ کہ اس کے پاس سرمایہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کام سے جی چرانے اور سستی اور اور کاہلی کرنے والوں کو صدقہ اور خیرات سے ہمیشہ دور رکھا تاکہ یہ اپنی حیثیت کے مطابق کسی روزگار سے لگے رہیں۔ (مزید تفصیل زکوٰۃ کی بحث میں ملاحظہ ہو)

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مایزال الرجل یسئال الناس حتی یأتی یوم القیامۃ ولیس فی وجھہ مزعۃ لحم (بخاری)	تم میں جو کوئی بھیک مانگتا ہے۔ وہ جب خدا کے سامنے جائیگا تو اس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ رہے گی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

من سئال الناس اموالھم تکثرا فانما یسئال جمرً فلیستقل اولیستکثر۔ (مسلم)	جس نے پائی پائی جوڑنے کیلئے لوگوں سے سوال کیا، درحقیقت وہ روپیہ کا نہیں، آگ کا سوال کرتا ہے۔ اب یہ اس کا کام ہے کہ آگ کے اس ڈھیر کو وہ چاہے کم کرے یا زیادہ کرے۔

پائی پائی جوڑنے کا مطلب یہی ہے کہ آدمی بلا ضرورت محض حرص اور لالچ کے

تحت بھیک مانگے ـــ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر صدقہ کرنے اور مانگنے اور نہ مانگنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

الید العلیا خیر من الید السفلیٰ۔	اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہوتا ہے۔
• لان یغد واحدکم فیحتطب علی ظہرہ لیتصدق بہ ویستغنی عن الناس خیر لہ من ان یسال رجلا أعطاہ أو منعہ ذلك بان الید العلیا....	بھیک سے بچنے کیلئے یا خیرات کرنے کیلئے تم میں کا کوئی اگر جنگل سے لکڑیاں اپنی پیٹھ پر لائے تو یہ مانگنے سے بہتر ہے، اس لئے کہ بھیک بھی کبھی ملتی ہے، کبھی نہیں، اور پھر اوپر والا....
• من سال مسالۃ وھو عنہا غنی کانت شیاء فی وجہہ یوم القیٰمۃ۔ (احمد)	جس نے بلا ضرورت سوال کیا۔ اس کا اثر قیامت کے روز اس کے چہرے پر ہوگا۔
• لا یفتح عبد باب مسالۃ الا فتح اللہ علیہ باب فقر (احمد)	جس نے بھیک مانگنے کا راستہ اختیار کیا خدا اس کیلئے غریبی اور افلاس کا دروازہ کھول دیتا ہے۔
• ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسالہ فاعطاہ فلما وضع رجلہ علی اسکفۃ الباب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو یعلمون ما فی المسئلۃ ما مشی أحد الی أحد یسألہ شیاً (نسائی)	ایک شخص نے آپؐ کے پاس آکر سوال کیا، آپؐ نے اسے مرحمت فرمایا، پھر جب اس نے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تو آپؐ نے فرمایا، مانگنے کی خرابی لوگ جان لیں تو کسی کے دروازے جانے کی ہرگز ہمت نہ کریں۔
• المسائل کدح یکدح بہ الرجل وجہہ فمن شاء ابقی علی وجہہ ومن شاء ترك الا ان یسال الرجل ذا سلطان أو فی أمر لا یجد منہ بداً۔ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی)	سوال کرنا خراش کے ہم معنیٰ ہے جو کوئی سوال کرتا ہے وہ اپنا چہرہ نوچتا ہے، لہذا جو چاہے اسے باقی رکھے یا چاہے ترک کردے البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہیکہ کسی صاحب اقتدار سے مانگے، یا سخت مجبوری کے تحت مانگے۔

معلوم ہوا کہ بھیک مانگنے سے چہرے کی رونق چلی جاتی ہے، البتہ ذیل کی صورتیں مستثنیٰ ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ بوقت ضرورت حاکم وقت سے سوال کیا جائے، جو اسلامی شریعت کی رو سے اس امر کے لئے بھی مامور ہوتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ سخت اور ازحد مجبوری کی حالت میں کسی سے بھی سوال کیا جائے جو اس کی ضرورت پوری کرنے پر قادر ہو۔ لیکن یہ یاد رہے کہ مجبوری کی حالت میں اجازت بھی بقدر ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے ضرورت سے زیادہ سوال کرنا غلط ہوگا۔

دراصل اس قدر بندش بندی اور احتیاط کی وجہ یہ ہے جیسا کہ علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

"لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا۔ خدا کے ساتھ۔ اُس کے بندوں کے ساتھ اور خود اپنے ساتھ زیادتی اور ناانصافی کرنا ہے۔

۱۔ خدا کے ساتھ ناانصافی اس طرح ہوگی کہ سائل غیر اللہ سے مدد کا طالب ہوگا غیروں کے سامنے اپنی بے چارگی اور غربت ظاہر کرے گا۔ اور خدا کی ذات سے اس کا اعتماد ہٹ جائے گا۔

۲۔ بندوں کے ساتھ ناانصافی اس طرح ہوگی کہ دینے کی صورت میں وہ زیر بار ہوں گے اور نہ دینے کی صورت میں ہدف ملامت بنیں گے یا خود شرمندہ اور نادم ہوں گے (ناحق مانگنے کا حکم یہ ہے، البتہ حقوق طلب کرنا اس سے مستثنیٰ ہے۔)

۳۔ خود اپنے ساتھ ناانصافی اس طرح ہوگی کہ سائل اپنے جیسی مخلوق کے سامنے اپنی خودی کو مجروح کرے گا۔ صبر و شکیب، خدا پر توکل اور بندوں سے بے نیازی کو ایک طرف ڈال کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کو بطور پیشہ اختیار کرے گا۔"

(مدارج السالکین از علامہ ابن القیمؒ ج ۱ ص ۲۳۲-۲۳۳)

مسلم حکام کی (اگر خوش قسمتی سے کہیں ان کا وجود ہو) ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ بے روزگاروں کو بے یار و مددگار نہ چھوڑیں۔ تندرست اور کمانے کے لائق افراد کی نگرانی کریں۔ اور خاص طور پر ایسے لوگوں پر کڑی نظر رکھیں، جو گداگری کو پیشہ اور زکوٰۃ کو اپنا حق سمجھ بیٹھے ہیں۔ جو لوگوں کا مہمان بننا پسند کرتے ہوں، جبکہ زکوٰۃ لینا ان کے لئے حرام اور لوگوں سے سوال کرنا حد درجہ قابل نفرت ہو۔

پھر اگر حاکم وقت ضرورت محسوس کریں تو اس قسم کے لوگوں کو قرار واقعی سزا بھی دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ شریعت کا مسلّمہ قاعدہ ہے کہ جس غلطی کی سزا شریعت میں مقرر نہ ہو حاکم وقت اپنے طور پر اس کی مناسب سزا تجویز کر سکتا ہے۔

گداگروں کے ہتھکنڈے

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ گداگری اور بھیک مانگنے کی مختلف عجیب و غریب صورتیں ہیں بلکہ بعض لوگ جو اس کے عادی ہو چکے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ایک پیشہ ہے! اس سلسلے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں چند انتہائی ٹھوس حقائق پیش کئے ہیں۔ چنانچہ معاشی ذرائع اور صنعت و حرفت کی مختلف صورتوں کا جائزہ لینے کے بعد امام صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

> بعض پیشے ایسے ہوتے ہیں جنھیں قدرے مشقت اور مناسب تربیت کے بعد ہر کوئی اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ بچپن کی لاپرواہی کی وجہ سے محنت کرنے کے عادی نہیں بنتے، یا کسی وجہ سے وہ عادی نہیں بن پاتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام سے ناواقف ہونے کا بہانہ بنا کر یہ لوگ کام کرنے سے دستبردار

ہو جاتے ہیں۔ اور دوسروں کے ٹکڑوں پر گذارہ کرنا پسند کر لیتے ہیں۔ اور جب یہ نوبت آجاتی ہے تو گداگری اور اٹھائی گیری جیسے دو گھٹیا قسم کے پیشے وجود میں آتے ہیں اور ہم جو اُن کی کڑی کام سے جی چُرانے سے ملاتے ہیں تو اسی لئے کہ محنت نہ کرنا اور دوسرے کی کمائی میں حصّہ لگانا، اٹھائی گیری اور گداگری میں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے۔!

پھر جس وقت عوام اٹھائی گیروں سے چوکنا ہو کر اپنے گھر بار کی نگرانی شروع کرتے ہیں، تو یہ لوگ بھی مجبوراً پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے اپنے دماغ پر زور دے کر نئے نئے ہتھکنڈے اور نت نئی چالیں سوچتے ہیں چنانچہ جن کا ذہن چوری کی طرف مائل ہوتا ہے وہ ٹولیاں اور ٹکڑیاں بنا کر پہلے کچھ طاقت حاصل کرتے ہیں۔ اور پھر ایک زبردست گینگ کی شکل اختیار کر لینے کے بعد ڈکیتی اور رہزنی کے نئے نئے شکل کھڑے ہوتے ہیں۔ اور جو ذرا ڈرپوک ہوتے ہیں۔ وہ جیب کترنے یا اٹھائی گیری اور ہاتھ کی صفائی میں لگ جاتے ہیں اور نقب زنی، گرہ کٹی یا عیاری و مکاری کے کسی راستے کو اپنا کر روپے اینٹھنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن جو چوری کو بُرا سمجھتے ہیں۔ مگر محنت بھی نہیں کرنا چاہتے، ایسے لوگ جب دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یہ طعنے سنتے ہیں کہ ـــــ جاؤ محنت کرو، جیسے دوسرے کما کر کھاتے ہیں، تم بھی کماؤ کھاؤ، اسطرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے کیا حاصل، پھر تمہیں تو یوں ہاتھ بھی نہیں پھیلانا چاہیئے ـــــ اس قسم کی تیز و تند باتیں جب ان کے کانوں میں پڑتی ہیں، تب لوگوں کی مٹھی

سے روپیہ نکالنے کے لئے یہ لاکھ جتن کرتے ہیں۔ اور اپنی مسکینی محتاجی اور لاچارگی ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کے ڈھونگ رچاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی بعض حرکتیں اس قدر اوچھی ہوتی ہیں جو حقیقت میں انھیں قابل رحم بنا دیتی ہیں مثال کے طور پر کچھ تو سچ مچ اندھے بن جاتے ہیں، یا کسی اندھے کے سرپرست بن بیٹھتے ہیں اور نہیں تو کسی فالج زدہ، پاگل اپاہج، یا بیمار کا روپ دھار لیتے ہیں یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایسا کرنے میں انھیں خود زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ مگر یہ نادان اس کی مطلق پرواہ نہیں کرتے۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کچھ من گھڑت باتیں اور مضحکہ خیز کرتب سیکھ لیتے ہیں تاکہ لوگ اُن کے فریب میں آجائیں اور وارفتگی اور بے خیالی میں کچھ سکے جیب سے نکل کر ان کے ہاتھ لگ جائیں، خواہ بعد میں انھیں اپنی نادانی پر افسوس کیوں نہ ہو۔ پھر عام طور سے یہ لوگ سچے جھوٹے قصے، مقفیٰ عبارتیں اور جوشیلی نظموں کا سہارا لیتے ہیں۔ جنھیں اچھی آواز سے دلنشیں انداز میں سناتے ہیں، اُن کی تاثیر اس وقت سوا ہو جاتی ہے جب ان میں مذہب کی آمیزش یا حسن وعشق کا سوز وگداز شامل ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ ساز و آواز کا سہارا لیتے ہیں اور چنگ ورباب سے لوگوں کو مسحور کرتے ہیں۔

ان پڑھ اور سیدھے سادے لوگوں کو جھانسہ دیکر روپیہ اینٹھنے کا کام وہ لوگ بھی کرتے ہیں جو گنڈے، تعویذ اور جھاڑ پھونک سے بیماریوں اور آسیب کے علاج کا دعویٰ کرتے ہیں، انھیں کے نقش قدم

پر نجومی، جیوتشی اور فال کھولنے والے چلتے ہیں۔ اسی زمرہ میں وہ چرب زبان واعظین بھی آتے ہیں جو عوام کی نادانی اور اپنی ہوشیاری کی وجہ سے منبروں تک پہنچ جاتے ہیں ان میں علمی قابلیت برائے نام ہوتی ہے لیکن عوام کو رام کرنے اور ان کی جیبیں خالی کرنے میں یہ بڑے ماہر ہوتے ہیں. یہی وجہ ہے کہ ان کے نشانے بہت کم خطا کرتے ہیں۔

قصہ کوتاہ! روپیہ اینٹھنے کے ان طریقوں کو شمار کیا جائے توان کی تعداد سیکڑوں سے اوپر ہی نکلے گی۔"

(احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۱۹۷-۱۹۸)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دور رس نگاہیں تھیں جس نے چوری اور گداگری کی مختلف شکلوں میں گہرا ربط تلاش کیا۔ اور ان گنت شکلوں کا سراغ لگایا پھر جیسا کہ انھوں نے لکھا ہے چوری اور گداگری میں یہی ہوتا ہے کہ آدمی محنت اور مشقت کی بجائے ایسی ایسی شیطانی حرکتیں کرتا ہے جس کی نہ ضمیر اجازت دیتا ہے نہ مذہب اسے پسند کرتا ہے۔ امام صاحب موصوف نے دوران تحریر گداگری کی چند ایسی مخفی صورتوں کو بھی اجاگر کیا جس سے سماجی بیماریوں پر ان کی گہری نظر کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ یہ انھیں کی بالغ نظری تھی کہ انھوں نے علم و بصیرت سے خالی مگر دلنشیں وعظ گوئی کو گداگری کی ایک صنف قرار دیا۔ جب کہ عام لوگوں کے ذہن پر ان کی طرف سے حسن ظن کا دبیز پردہ پڑا ہوتا ہے!

فراہمیٔ روزگار

(۹)۔ کچھ لوگ کام کی اہلیت رکھتے ہوئے بھی اسلئے کام نہیں کرتے، کہ ان کی سمجھ

میں نہیں آتا کہ آخر وہ کون سا کام کریں؟ جو ان کے لئے مناسب ہو۔ دراصل یہ لوگ کوتاہ اندیش ہونے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے ساتھ باعزت زندگی گذارنے کے جملہ اصولوں سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ ان کے لئے یہ کام بڑا آسان ہوتا ہے کہ خود سے کوئی کام نہ کریں لیکن محکمۂ روزگار (Department of Employment) یا کسی متعلقہ افسر کے سامنے دھرنا دے کر بیٹھ جائیں اور اس سے روزگار فراہم کرنے کا جھوٹا مطالبہ کریں۔

سیرت طیبہ کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روزگار کی فراہمی کے عملی طریقے بھی بتائے تھے اور بے روزگاروں کو روزگار پر بھی لگایا تھا۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک بے روزگار انصاری نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سوال کیا! آپ نے دریافت کیا، کیا تمہارے گھر میں کچھ ہے انھوں نے عرض کیا، حضورؐ ایک کمبل ہے، اُسی کو آدھا بچھا لیتے ہیں اور باقی کو یونہی اوپر ڈال لیتے ہیں۔ اور ایک پیالہ ہے جس میں پانی پیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا دونوں چیزیں لے آؤ۔ چنانچہ وہ لے آئے۔ آپ نے انھیں دست مبارک میں اٹھایا اور نیلام کرنا شروع کیا، ایک صاحب نے ایک درہم (تقریباً ۷ روپے) دام لگایا، آپ نے فرمایا کیا اس سے زیادہ کوئی دینے والا ہے؟ دوسرے صحابیؓ نے دو درہم قیمت لگائی آپ نے انھیں کے حوالے کر دیا۔ اور درہم انصاری کو دے کر فرمایا، دیکھو ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر پہنچا دو اور دوسرے درہم کی کلھاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ کلھاڑی لیکر آئے تو خدا کے اس محبوب بندے نے اپنے دست مبارک سے اس میں ایک لکڑی جوڑ دی اور فرمایا۔ جاؤ جنگل جا کر لکڑی کاٹو اور بازار میں فروخت کرو۔ اور میں چاہتا ہوں کہ

پندرہ دن میں تمہیں نہ دیکھوں (یعنی اس اثنا میں پوری تندہی سے تم محنت کرو)۔ چنانچہ وہ صاحب گئے اور معمول بنا لیا کہ صبح جنگل سے لکڑیاں لاتے اور شام کو بازار میں فروخت کرتے۔ ہوتے ہوتے ان کے پاس دس درہم جمع ہو گئے۔ اب انھوں نے اپنی ضرورت کے مطابق کچھ کپڑے اور کھانے پینے کی چیزیں خریدیں۔ ٹھیک پندرھویں روز حاضر خدمت ہو کر اپنی سرگذشت سنائی آپ نے جواب میں فرمایا:۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم کسی کے سامنے بھیک مانگو اور قیامت کے دن ذلت اٹھاؤ۔ سوال کرنا بس تین حالتوں میں درست ہے۔ سخت افلاس یا قرض میں یا خون ناحق کے تاوان میں۔ (ترمذی)

یہ روشن اور مرصع حدیث ——— بتاتی ہے کہ یہ بھی ممکن تھا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ وغیرہ کی مدد سے یا کسی صحابی سے ان کو دو درہم دلوا دیتے۔ لیکن آپ کی جو غرض تھی، وہ اس شکل میں پوری نہ ہوتی۔ پھر یہ کوئی علاج نہ ہوتا، بلکہ اس کی بیماری بڑھ جاتی۔ اور وہ مانگ مانگ کر پیٹ پالنے کا عادی بن جاتا۔ دراصل آپ یہ چاہتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے ہر شخص اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرے۔ ہر مشکل کو حل کرنے کے لئے سب سے پہلے اپنے پاس موجود وسائل کو کام میں لائے خواہ ان وسائل کی حیثیت معمولی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح محض ناکامی کے اندیشے سے کسی تدبیر کو بروئے کار لانے میں پس و پیش بھی نہ کرے اور نہ یہ سوچے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ آپ نے انھیں تعلیم دی کہ جس پیشے سے حلال روزی حاصل ہو سکے وہ باعزت پیشہ کہلائے گا خواہ وہ جنگل سے لکڑیاں لانا اور بازار میں بیچنا کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ اس سے اتنا تو ہوگا کہ آدمی لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے بچ جائے گا۔

غرض اللہ کے رسولؐ نے کوئی وقتی علاج نہیں کیا: اصل مسئلہ سے چشم پوشی بھی

نہیں کی، اور نہ صرف نصیحت کرنے یا ڈانٹ ڈپٹ پر اکتفا کیا ــــــ بلکہ آپ نے ان سب سے ہٹ کر اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے خود اس شخص کو تیار کیا اور اشتراک و تعاون اور معاشی کی ایسی مثال قائم کی جس سے انسانیت پہلی بار روشناس ہوئی۔

روزگار کی طرف رہنمائی کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرّہ نوازی تھی کہ آپؐ نے انصاری کے لئے، ضرورت کے اوزار کو اپنے دستِ مبارک سے دُرست فرمایا۔ اور کسی مرحلے میں انھیں آزردہ نہ ہونے دیا۔ پھر پندرہ دن کی مُدّت اسی لئے مقرر فرمائی تاکہ اس دوران تجربہ سودمند ہو تو انھیں اسی کام میں لگے رہنے کا حکم دیں، ورنہ بصورتِ دیگر کوئی دوسرا کام تجویز فرمائیں آج اس بات کی ضرورت ہے کہ غریبی اور افلاس کا علاج اس اسپرٹ کے تحت کیا جائے جو اس حدیث میں بدرجہ اتم موجود ہے اور یہ طے کر لیا جائے کہ لفظی بحثوں اور کاغذی منصوبوں سے ہٹ کر ایسی صورتیں عمل میں لائی جائیں جس سے بیروزگاری اور گداگری کا انسداد یقینی ہو سکے۔

خلاصہ

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کو خصوصاً مسلمانوں کو افلاس سے نجات پانے کے لئے پوری تندہی اور سرگرمی کے ساتھ کسی کام میں لگ جانا چاہیئے خواہ یہ کام صنعت و حرفت یا تجارت ہو، یا کاشتکاری، خوشنویسی یا کسی دفتری نوعیت کا ہو، اسلئے کہ اس سب کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے گا، اور اپنی اور اپنے خاندان کی کفالت کر سکے گا۔ اسے نہ کسی فرد سے امداد لینے کی ضرورت ہوگی اور نہ کسی ادارے یا حکومت سے شکایت ہوگی۔ پھر ایک آدمی کے برسرِ روزگار.... ہو جانے کے بعد مزید فائدہ یہ ہوگا کہ سارے معاشرے کے سامنے نظیر قائم ہوگی

اور اسے دیکھ کر دوسروں میں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی اُمنگ پیدا ہوگی۔
اور اگر گنجان آبادی، وسائل کی کمی، یا عام بیروزگاری کی وجہ سے کسی شخص کو اپنے وطن میں روزگار نہ ملے تو ایسے شخص کو چاہیئے کہ روزی کی تلاش میں رخت سفر باندھے اور گھر سے نکل پڑے کیوں کہ اس کے خدا نے روزی کا ذمّہ لیا ہے۔ وہ روزی فراہم کریگا لیکن یہ کہاں ضروری ہے کہ روزی وطن ہی میں ملے ؟۔
اسلام عام مسلمانوں کو اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ وہ کام کا حوصلہ رکھنے والے مسلم افراد کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کریں۔ ان کے ساتھ مناسب تعاون کریں تاکہ ان کے اندر باعزّت زندگی گذارنے کا جذبہ پیدا ہو۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:
وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (مائدہ-۲) نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔
ہاں گناہ اور ظلم کے کاموں میں کسی کا ساتھ نہ دو پھر اس میں شک نہیں کہ رعیت اور ماتحتوں کے لئے مناسب روزگار فراہم کرنے کی ذمّہ داری حکمراں طبقے پر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اپنی رعیت کے بارے میں خدا کے سامنے انھیں جواب دہی کرنی ہے۔ اسی طرح اگر تلاشِ معاش میں منہمک کسی آدمی کو کوئی مخصوص تیاری یا کسی کام کی ٹریننگ کی ضرورت ہو، جس کے بعد وہ اپنا کام بحسن وخوبی کر سکے گا، تو یہ ذمّہ داری بھی حکومت یا سماج کے سربرآوردہ طبقہ اور سرداران قوم پر عائد ہوتی ہر کہ وہ اس سلسلے میں۔ زکوٰۃ یا کسی مناسب مد سے ان کی امداد کریں۔
مختصر یہ کہ اسلامی معاشرہ میں شریک حکام سے لیکر ادنیٰ سے ادنیٰ فرد تک ہر ایک پر یہ ذمّہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بھوک اور افلاس کا مقابلہ کریں۔ اور اس مقصد کے لئے سرمایہ، یا ہمہ قسم کی مادی اور اخلاقی قوتوں کا استعمال کریں۔
اس لئے کہ علم الاقتصاد (ECONOMICS) کے ماہرین اس حقیقت کو تسلیم

کر چکے ہیں کہ آمدنی اور اس کے ذرائع کی فراوانی ہی غریبی کے اثرات پر کاری ضرب لگا سکتی ہے ورنہ اگر معاشرہ میں چند افراد کام کریں گے اور باقی دوسروں کے دست نگر ہوں گے تو اس میں شک نہیں کہ کام کرنے والوں پر زیادہ بار پڑے گا یا پیداوار کم ہوگی اور بالآخر دولت کم پیدا ہوگی، اور غریبی بڑھ جائے گی۔

ہر قوم کے نوجوان اس قوم کے قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ مسلم معاشرے کے اندر موجود نوجوان طبقہ پر بھی یہ ذمّہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ سماج کی دیوار میں موجود رخنوں کو بند کرنے کے لئے کامل اتحاد و تعاون کے ساتھ سرگرم عمل رہیں۔ اور ہر ان پیشوں اور صنعت و حرفت کی جستجو میں رہیں جس سے قوم کو اور خود ان کی ذات کو زیادہ سے زیادہ نفع پہونچ سکے۔

یہ صحیح ہے کہ سب لوگ ایک خیال کے نہیں ہوتے، اور نہ ہر کسی کو ہمخیال بنایا جاسکتا ہے۔ اس لئے قوم و ملت کا صحیح درد رکھنے والے گنتی کے چند افراد بھی اگر اس قسم کے اصلاحی اور انقلابی کاموں کے لئے اٹھ کھڑے ہونگے تو بلاشبہ وہ ساری قوم کی طرف سے کفارہ ہوں گے، ورنہ بصورتِ دیگر ساری قوم، اور خاص طور پر قوم کے سربرآوردہ افراد اس کے جوابدہ ہوں گے۔

بابِ چہارم

(دوسرا ذریعہ) مالدار عزیزوں کا سہارا

- ــــــ مالدار عزیزوں کا سہارا
- ــــــ صلۂ رحمی کی تاکید
- ــــــ صلۂ رحمی کی اہمیت احادیث کی روشنی میں
- ــــــ اُسوۂ صحابہ
- ــــــ عام اسلاف کی رائے
- ــــــ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک
- ــــــ امام احمدؒ کا مسلک
- ــــــ خرچ پانے کی شرطیں
- ــــــ خرچ کی مقدار
- ــــــ قرابت داری اسلام کی اہم خصوصیت

دوسرا ذریعہ

مالدار عزیزوں کا سہارا

اسلام میں غریبی کے علاج کا پہلا ذریعہ جیسا کہ گذشتہ قسطوں میں بتایا گیا، یہ ہے کہ غریبی اور افلاس سے ہر کوئی نبرد آزما ہو اور محنت مشقت کو اپنا ہتھیار قرار دے۔ لیکن اس حقیقت سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کہ محنت مشقت کرنے کا مطالبہ بھی انہیں سے کیا جا سکتا ہے جن کے اندر محنت کرنے کی صلاحیت ہو، ورنہ ظاہر ہے ان اپاہجوں اور از کار رفتہ افراد کو کام کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا جو کام کرنے کی جملہ صلاحیتوں سے محروم ہوتے ہیں ان بیواؤں اور یتیم و کمسن بچوں سے محنت و مشقت کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا جن کی آنکھوں کے سامنے اُن کی دنیا لُٹ گئی ہو، اور وہ حسرت و نامرادی کا عبرت ناک مرقع بن کر رہ گئے ہوں۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی کام کرنے کے لئے نہیں کہا جا سکتا جو مختلف موذی امراض یا ناگہانی حادثوں کا شکار ہونے کی وجہ سے کمانے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہوں، اور دوسروں کے ٹکڑوں کے محتاج ہوں۔ لیکن یہ بھی کسی طرح مناسب نہیں کہ اس قسم کے تمام لوگوں کو زندگی کی چکی میں پسنے اور گرد راہ بننے کے لئے یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ جو مذہب سب سے زیادہ انسانیت نواز اور غریبوں کا حقیقی ہمدرد ہو، سسکتے انسانوں کے ساتھ اس حد تک سنگدلی نہیں کر سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ غریبوں کی ہمدردی اور فقر و ناداری سے انھیں نجات دلانے کے لئے اسلام نے انتہائی مثبت اور راست کاروائی یہ کی کہ اس نے خاندان کے

تمام افراد کو متحدہ اکائی (UNIT) قرار دیا اور توحید خداوندی کے مطالبہ کے بعد اس بات کا مطالبہ کیا کہ خاص طور پر قرابت داروں ______ کے ساتھ امداد و اعانت رحم و کرم وسیع القلبی اور سیر چشمی کا برتاؤ کرے، طاقتور کمزوروں کا خیال رکھے، مالدار ناداروں کی کفالت کرے اور باصلاحیت افراد مجبوروں کو سہارا دیں۔ پھر یہ مطالبہ اسلئے بھی قرینِ عقل وقیاس ہے کہ رشتہ داروں میں آپس میں روابط انتہائی گہرے ہوتے ہیں۔ ان کے اندر ایک دوسرے کیلئے صلہ رحمی اور قرابت داری کا جذبہ فطری طور پر موجود ہوتا ہے، جس سے شفقت اور مہربانی کی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں اور درحقیقت دنیا کا نظام بھی صلہ رحمی اور قرابت داری کے اسی پاکیزہ جذبہ کے ساتھ قائم ہے۔ پھر اسطرح اگرچہ ایک فرد کی زندگی کیلئے سکون کا سامان فراہم ہوتا ہے، مگر فی الحقیقت وہ پورے سماج اور تمدن کی صلاح اور کامیابی کیلئے سنگ بنیاد ہوتا ہے، یہی کائنات کی حقیقت اور شریعتِ مطہرہ کا دستور ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ (انفال: ۷۵)
اور جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں۔

صلہ رحمی کی تاکید

اسلام صلہ رحمی پر زور دیتا ہے، اور قطع رحمی کرنیوالوں کو سخت عذاب سے ڈراتا ہے۔ ارشاد ہے۔

واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا (نساء: ۱)
اور اللہ سے ڈرتے رہو، جسکا واسطہ دیکر تم ایکدوسرے سے مانگتے ہو اور قرابت کے بارے میں ڈرتے رہو، بیشک اللہ تمہارے حال کا نگراں ہے

وآت ذا القربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل
اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا

ولا تبذر تبذیرا (اسراء، ۲۶) حق ادا کرو۔ اور فضول خرچی نہ کرو۔

فآت ذا القربی حقہ والمسکین وابن السبیل ذلک خیر للذین یریدون وجہ اللہ (روم) تو قرابت دار، مسکین اور مسافر تینکے حقوق ادا کرو۔ یہ انکے لئے بہتر ہے جو اللہ کیلئے خوشنودی چاہتے ہیں۔

• اِنَّ اللہَ یأمر بالعدل والاحسان وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی۔ (نحل ـ ۹۰) خدا تمہیں خاص طور پر قرابت داروں کیساتھ انصاف اور حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیتا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا۔ (نساء ـ ۳۶) صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اسی طرح یتیموں فقیروں پڑوسیوں، دوستوں اور ملنے والوں کے ساتھ محبت سے پیش آؤ۔ اور یہ بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ڈینگ مارنے اور اترانے والوں کو ذرہ برابر بھی پسند نہیں کرتا

• اسی مفہوم کی چند حدیثیں بھی سن لیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیصل رحمہ۔ (متفق علیہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خدا اور آخرت کے دن پر کامل اعتماد رکھنے والوں کو صلہ رحمی کا حد درجہ خیال رکھنا چاہئے۔

• الرحم معلقۃ بساق العرش تقول من وصلنی وصلہ اللہ ومن قطعنی قطعہ اللہ (متفق علیہ) رحم عرش الٰہی سے چمٹا ہوا ہے۔ اور پکار پکار کر کہتا ہے کہ جس نے مجھے جوڑا، خدا اسے جوڑے گا لیکن جو کوئی مجھے توڑے گا، خدا بھی اسے توڑ کر رکھدیگا۔

ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کرتے ہوئے آپ نے فرمایا :۔

امك وابالك واختك واخاك	تمہارے ماں باپ بھائی بہن اور زرخرید
ومولاك الذى يلى ذاك حق	غلاموں کے بہت سارے حقوق تمہارے ذمہ
واجب ورحم موصولة ۔	عائد ہوتے ہیں اس لئے تمہیں ان کے ساتھ
(ابوداؤد)	صلۂ رحمی کا برتاؤ کرنا چاہیئے ۔

یہ تمام صراحتیں بتاتی ہیں کہ عام انسانوں کے مقابلے میں رشتہ داروں کے حقوق کو سب سے زیادہ اہمیت اور فوقیت اسی لئے حاصل ہے کہ ان میں آپس میں بہت گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ جو حسنِ سلوک کا تقاضہ کرتا ہے اور یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ صلۂ رحمی پر محض حقوق کا لیبل چسپاں کر دینے سے اس کی اہمیت نہیں بڑھ جاتی ۔ بلکہ ان حقوق کو تسلیم کرنے اور سچائی کے ساتھ ادا کرنے سے ہی ان کی اہمیت میں نمایاں اضافہ ہوتا ہے نیز عقل و قیاس کی رو سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اگر کسی عزیز یا رشتہ دار کے مرنے پر اس کا دوسرا رشتہ دار میت کی دولت پاکر زندگی کے دن چین سے گذار سکتا ہے۔ تو انصاف کا عین تقاضہ ہے کہ اس کے اپاہج یا مجبور ہونے کی صورت میں اس کی کفالت کی جائے ۔ اسکی مشکلات حل کی جائیں تاکہ یہ مالی اعانت و کفالت اس وراثت کا عوض بن سکے ۔

★ ــــ اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ مذکورہ بالا صراحتوں سے بس اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہئے ۔ یہ نہیں ثابت ہوتا کہ صلہ رحمی کوئی زبردست فریضے کی حیثیت بھی رکھتا ہے تو اس میں شک نہیں کہ یہ اسکی خام خیالی ہوگی ۔ اسلئے کہ اول تو قرآن پاک اور احادیثِ مقدسہ کی بار بار تاکید سے اس کی حد سے زیادہ اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ دوسرے حکم دینے کا انداز بتاتا ہے کہ یہ عمل زبردست فریضے کی حیثیت رکھتا

ہے اور پھر صلۂ رحمی کی اہمیت و فرضیت کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہوگا، کہ خود باری تعالیٰ نے کلام پاک میں تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کے فوراً بعد صلۂ رحمی کا حکم دیا چنانچہ فرمایا خدا سے ڈرو جس کے نام کا تم ایک دوسرے کے سامنے واسطہ دیتے ہو، اور رشتہ داروں کا بھی خیال رکھو۔ لیکن اب بھی کوئی اسی فکر میں ہو کہ صلۂ رحمی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وقت بے وقت رشتہ داروں کی اعانت و کفالت کی جائے۔ بلکہ صلۂ رحمی سے مراد یہ ہے کہ ان سے رشتہ داری اور تعلق قائم رکھا جائے، نہ یہ کہ ان سے لڑائی جھگڑا کر کے ان سے دشمنی مول لیجائے، تو اس قسم کی ذہنیت کے جواب میں ہم کہینگے کہ یہ نقطۂ نظر بھی حد درجہ کم فہمی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اسی قسم کے اوٹ پٹانگ نظریات کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ :-

(۱) ۔ اگر صلۂ رحمی اسی کا نام ہے تو یہ کہاں کی صلۂ رحمی ہو گی؟ کہ آدمی اپنے کسی عزیز کو بھوک پیاس میں تڑپتا دیکھے۔ لیکن اس کے باوجود اسے روٹی کے چند ٹکرے اور پانی کے چند گھونٹ نہ دے اسی طرح موسم کے سرد گرم تھپیڑے سہنے کے لئے اسے تنہا چھوڑ دے لیکن اسے کسی قسم کا سہارا نہ دے، حالانکہ وہ مصیبت کا مارا اسی کا بھائی بند ہے۔ اور دونوں میں خون کا رشتہ قائم ہے یا وہ اس کا چچا ہوتا ہے جس کا مرتبہ باپ کے برابر ہوتا ہے، یا وہ مصیبت زدہ عورت رشتہ میں اسکی خالہ ہوتی ہے جو ماں کے برابر ہے۔ پس یہ مجرمانہ غفلت اور سنگدلی اگر قطع رحمی نہیں ہے، تو ہم نہیں جانتے کہ پھر آخر کون سی قطع رحمی سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔

(۲) ۔ اور اگر صلۂ رحمی کا مطلب یہ لیا جائے کہ اپنوں سے محض تعلق باقی رکھا جائے، خواہ ان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کیا جائے یا نہ کیا جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ امداد اور تعاون کے بغیر بھی اگر تعلقات باقی رہتے، تو قرآن پاک

اور احادیثِ مقدسہ میں ان کی امداد اعانت اور خبر گیری کے لئے اس قدر زور نہ دیا جاتا
پھر اس مفہوم کے درست ماننے کی صورت میں دوسری خرابی یہ لازم آتی کہ قرابتداروں
کو عام انسانوں کی سطح پر رکھ دینے سے ان میں اور دوسروں میں کوئی امتیاز باقی
نہیں رہتا۔ اور نتیجہ یہ ہوتا کہ نہ کوئی دل وزبان سے ان کی اہمیت کا قائل ہوتا اور نہ کوئی
اُن کے ساتھ حسن سلوک کو ضروری قرار دیتا حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے
اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا بھائی بہنوں کے حقوق کو ماں باپ کے
حقوق کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں آپ نے فرمایا" ماں باپ اور
بھائی بہن تمہارے حسن سلوک کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس قسم کے روشن دلائل کے
سامنے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ رشتہ داروں کے حقوق کو ثانوی حیثیت کس طرح دی جا سکتی ہے؟

(زاد المعاد ج ۲ ص ۳۲۴)

صلۂ رحمی کی اہمیت احادیث کی روشنی میں

علاوہ ازیں فقہاءِ اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ بیوی کے خرچ کے لئے
شوہر کو، بچوں کے خرچ کے لئے باپ کو اور معذور والدین کی کفالت کے لئے بیٹوں
کو مجبور کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں علماء کا خفیف سا اختلاف ہے، لیکن اس
بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کے ساتھ ہمدردی اور صلۂ رحمی کا رویہ بہرحال باقی
رکھا جائے گا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ فقۂ اسلامی کے دو مکتب فکر یعنی مکتب امام ابو حنیفہ
اور امام احمد ابن حنبل رحمہ صلۂ رحمی اور ہمدردی کے مسئلے میں سب سے آگے ہیں۔ خود علامہ
ابن القیم رحمہ بھی ان کی تائید کرتے ہیں۔ اور اس مضمون کی متعدد روایتیں اپنی کتاب "زاد المعاد"
میں درج کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

• ۔ ابوداؤدؒ نے اپنی کتاب سنن میں کلیب بن منفعہؓ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ وہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے حسن سلوک کے حقدار کون ہیں؟ آپ نے فرمایا، تمہارے ماں باپ، بھائی بہن اور زرِ خرید غلام تمہارے حسن سلوک کے مستحق ہیں۔

• ۔ نسائی نے حضرت طارق صحابیؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا میں مدینہ پہنچا تو آپ ممبر پر رونق افروز تھے، اور فرما رہے تھے، دینے والے کا ہاتھ اونچا ہوتا ہے۔ ان کی خبر گیری پہلے کرو، جن کی پرورش تمہارے ذمہ عائد ہوتی ہے۔ یعنی تمہارے ماں باپ کی، بہن بھائی کی، پھر تمہارے قریب تر عزیز کی۔

• ۔ ترمذی میں حضرت معاویہؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا۔ اے اللہ کے رسول! میں کس کی زیادہ خدمت کروں؟ آپ نے جواب دیا ماں کی، عرض کیا پھر کس کی؟ فرمایا ماں کی۔ تیسری بار پھر عرض کیا، پھر کس کی؟ آپ نے فرمایا باپ کی، پھر قریبی عزیز کی۔

• ۔ حضرت ہندہؓ سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا: تمہیں اپنے اور اپنے بچے کے خرچ کے لئے شوہر سے بقدرِ ضرورت روپیہ لینے کا حق حاصل ہے۔

• ۔ سنن ابوداؤد میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: سب سے پاکیزہ غذا وہ ہے جو تمہاری اپنی کمائی کی ہو۔ ہاں تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہیں۔ اس لئے تم بافراغت ان کی کمائی استعمال کر سکتے ہو۔

• ۔ نسائی نے جابر بن عبداللہ کی روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: خیرات

دینے سے پہلے اپنے گردوپیش کا جائزہ لو۔ اور اہل وعیال پر خرچ کرنے سے
جو بچ رہے اسے قریب و دور کے ضرورت مندلعزہ پر خرچ کرو۔

(زادالمعاد ج۲ ص۳۱۹)

یہ احادیث درحقیقت کلام ربانی : (وَاعْبُدُوا اللّٰہَ) اللہ کی عبادت کرو،
اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور قرابت داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔
کی صاف ترجمانی کرتی ہیں۔ چنانچہ خداوند عالم نے والدین کے حقوق کو رشتہ داروں
کے حقوق پر مقدم کیا اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے فرمودات میں
اس کی تاکید کی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کی کہ رشتہ دار کے
رشتہ دار پر حقوق ہیں جن کی ادائیگی ان پر لازم ہے۔

اب اگر مذکورہ بالاحقوق کے مستحق رشتہ دار نہیں۔ تو ہم نہیں جانتے کہ
پھر ان کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا جانا چاہیئے؟۔ بھلا اس سے بڑھ کر حق تلفی
اور ناحق شناسی اور کیا ہوگی؟ کہ قرابتداروں کو بلکتے اور ایڑیاں رگڑتے دیکھا
جائے، اور وسعت کے باوجود ان کی دستگیری اور امداد نہ کی جائے؟

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ گذشتہ تمام احادیث کا سرچشمہ قرآن پاک کی
یہ آیت ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ، وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں۔ یہ مدت اس کے لئے ہے جو شیرخوارگی کی تکمیل کرنا چاہے اور جس کا بچہ یعنی باپ اسکے ذمہ ہے ان ماؤں کا کھانا اور کپڑا قاعدے کے موافق، کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی

وَالِدَۃٌ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّہٗ بِوَلَدِہٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِکَ (بقرۃ ۔ ۲۳۳)

برداشت کے موافق کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانی چاہیے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف پہنچانی چاہیے اس کے بچے کی وجہ سے۔

قرآن کریم نے فرزند و پدر کے ایک دوسرے سے متعلق سارے حقوق چند الفاظ میں جس طرح بیان کر دیئے یہ اس کا اعجاز ہے۔

اسوۂ صحابہؓ

خلیفۂ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریق کار یہ تھا کہ آپ قرابت داروں کے ساتھ ہمدردی کا سختی سے حکم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ سفیان بن عینیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن مسیبؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بچے کے سرپرست کو اس لئے قید کیا تھا کہ وہ اس کی پرورش میں سستی کرتا تھا۔

ابن ابی شیبہؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسیبؓ سے روایت کی ہے کہ ایک یتیم کا رشتہ دار خلیفہ دوم کے دربار میں حاضر ہوا، آپ نے اس سے یتیم کی خبر گیری کے لئے کہا، پھر فرمایا اگر یہ اس کا دور کا رشتہ دار نہ ہوتا تو میں نفقہ اس کے ذمہ فرض قرار دیتا۔

ابن ابی شیبہؒ نے حضرت زید بن ثابت کا یہ فیصلہ نقل کیا ہے کہ جب کسی بچے کی ماں اور اس کے چچا موجود ہوں تو دونوں کو بچے کی ذات پر اسی قدر خرچ کرنا ہوگا جس قدر حصہ انھیں ترکے میں مل سکتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ صحابہؓ کے ان فیصلوں پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔

عام اسلاف کی رائے

ابن جریج رح کہتے ہیں کہ میں نے عطاء رح سے پوچھا کیا وارث کے اوپر بھی اس کے حصۂ اسلامی کے مطابق خرچ کرنا ضروری ہے؟ انھوں نے جواب دیا کیوں نہیں! یتیم کے ورثہ بھی یتیم پر اسی قدر خرچ کریں گے، جس قدر خود انھیں اس کے ترکے سے ملیگا، ابن جریج رح کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، پھر کیا بچے کا وارث خرچ نہ رکھنے کی صورت میں قید بھی کیا جا سکتا ہے؟ جواب میں حضرت عطاء رح نے کہا، تو کیا اسے یونہی مرنے دیا جائے گا؟ حضرت حسن سے بھی یہی منقول ہے۔

ہمارے اسلاف کی ایک بڑی جماعت کا یہی فیصلہ ہے، جس میں حضرت قتادہ رح، مجاہد رح، ضحاک رح، زید بن اسلم رح، قاضی شریح رح اور ابراہیم نخعی رح رحمۃ اللہ علیہم شریک ہیں — نیز قبیصہ بن ذویب، عبداللہ بن عتبہ، شعبی، سفیان ثوری وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے۔

پھر علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے رشتہ داروں پر خرچ کرنے کے سلسلے میں مختلف فقہاء کے مذاہب ذکر کئے ہیں۔ ان میں وسعت علی الترتیب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں پائی جاتی ہے۔ ان میں سے اوّل الذکر دو مسلک کی کسی قدر تفصیل درج کی جاتی ہے۔ (از زاد المعاد لابن القیم ج ۴ ص ۳۱۹-۳۲۵)

امام اعظم ابوحنیفہ رح کا مسلک

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ذوی الارحام میں سے ہر ایک دوسرے کی کفالت اور نگہداشت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیٹے پوتے

اور باپ دادے، سب کے نفقہ کی ادائیگی ان کے نزدیک آدمی پر لازم آتی ہے۔ خواہ ان کا مذہب ایک ہو، یا نہ ہو، البتہ جو رشتہ دار ذوی الارحام نہ ہوں گے ان کا نفقہ اسی وقت واجب ہوگا، جب کہ دونوں کا مذہب بھی ایک ہوگا۔

پھر امام صاحب کے نزدیک دینے والے کی حیثیت اور لینے والے کی ضرورت کا بطور خاص لحاظ رکھا جائے گا۔ یعنی اگر لینے والا خورد سال ہوگا تو صرف نادار مسلم ہونے کی صورت میں اسے نفقہ مل سکے گا، البتہ لڑکی بالغ ہونے کے باوجود خرچ لینے کی حقدار تصور کی جائے گی اور اگر لینے والا بالغ ہو جائے تو نفقہ پانے کا حق اسی وقت ہوگا جبکہ مفلس ہونے کے ساتھ ساتھ وہ آنکھ سے معذور یا اپاہج بھی ہو، ورنہ بصورت دیگر اسے نفقہ نہ ملے گا۔ علاوہ ازیں لینے والے سے نفقہ اسی قدر لیا جائے گا جتنا کہ اس شخص کے ترکے سے خود اسے حصہ ملیگا، البتہ مشہور مذہب کی رو سے بچہ کا خرچ صرف باپ برداشت کرے گا۔ لیکن حسن بن زیاد لولوی (شاگرد امام ابو حنیفہ) کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں اور باپ دونوں بچے کے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے، اس روایت کی بنیاد تمام تر قیاس پر مبنی ہے۔

امام احمدؒ کا مسلک

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ نسبی قرابت دار کو بہر صورت اپنے نسبی عزیز کے اخراجات کی کفالت کرنی ہوگی، خواہ ترکہ میں اسے کوئی حصہ ملے یا نہ ملے، ہاں نسبی قرابت نہ ہونے کی صورت میں کفالت کی ذمہ داری اس پر اسی

وقت آئے گی جب کہ انھیں ایک دوسرے کے ترکے سے حصہ لینے کا حق پہنچتا ہو۔ اور اگر قرابت دار ذوی الارحام سے تعلق رکھتے ہوں جنھیں وراثت نہیں ملا کرتی، تو صریح روایت کی رو سے کفالت کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوگی۔ اسلئے کہ ان کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ جس کو وراثت ملتی ہے اس کے سر خرچ بھی ڈالا جاتا ہے۔ لیکن امام صاحب کے بعض اصحاب نے کسی قیاس کے ذریعے ان پر بھی خرچ کی ذمہ داری عائد کی ہے۔ پھر امام احمد بن حنبل کے نزدیک.. خرچ لینے اور دینے والے کے درمیان دینی وحدت ہونا ضروری ہے، لیکن ایک روایت کی رو سے نسبی رشتہ دار اس ضابطے سے مستثنیٰ مانا گیا ہے۔ اسی لئے اسے بہرصورت خرچ ملے گا۔ اور اگر نسبی قرابت دار پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لئے شادی کا خواہشمند ہو تو اس سلسلے میں بھی اسکی خاطر خواہ امداد کی جائے گی۔

چنانچہ قاضی ابو یعلیٰ نے کہا ہے، باعزت زندگی گذارنے کے لئے شادی کی سہولت ہر اس فرد کے لئے مہیا کی جائے گی جس کا خرچ کسی حال میں بھی آدمی پر ضروری ہوتا ہے۔ جیسے بھتیجے اور چچا زاد بھائی وغیرہ۔ علاوہ ازیں ظاہر مذہب کی رو سے مرد کے ساتھ ساتھ اسکی اہلیہ کا خرچ بھی علیحدہ سے دیا جائے گا۔ خیال رہے کہ یہ مسلک امام احمدؒ بن حنبل کا ہے، جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک سے کہیں زیادہ وسعت اور فراخی کا حامل ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ایک اور وجہ سے اپنے اندر وسعت رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ ان کے نزدیک ذوی الارحام پر بھی خرچ کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ جبکہ امام احمدؒ سے اس قسم کی کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔ ہاں ان کے کچھ مسلمہ اصول ایسے ضرور ملتے ہیں جن سے امام ابو حنیفہؒ کے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ پھر ان کے قول کو مزید تقویت اسلئے بھی ہوتی ہے کہ

باری تعالیٰ نے وراثت کا ٹھوس قانون خاص اس مقصد کے لئے نافذ کیا۔ اور بیشتر احادیث نبوی صلۂ رحمی کے عنوان سے اس کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں۔
(زاد المعاد ج ۴ ص ۳۱۹-۳۲۵)

خرچ پانے کی شرطیں

۱۔ یہ ضروری ہے۔ اور عقل و قیاس کے عین مطابق بھی کہ خرچ پانے والا نادار اور فقیر ہو۔ ورنہ دولت پانے یا کمانے کی صلاحیت میسر آنے پر اسے خرچ لینے کا کوئی حق نہ ہوگا۔

۲۔ اسی طرح دینے والے کے پاس بھی اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات سے فاضل رقم موجود ہونی چاہیئے۔

چنانچہ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو، پھر اس پر خرچ کرو جس کی کفالت کے تم ذمہ دار ہو۔ یہ اسی لئے کہ رشتہ دار کو محض اسکی دلجوئی کے لئے نفقہ ملا کرتا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ کوئی بھی دوسرے کی نگہداشت اور کفالت اسی وقت کرسکتا ہے جب کہ وہ خود اور اس کے اہل و عیال فارغ البال اور آسودہ حال ہوں۔ (ترمذی)

خرچ کی مقدار

ہر چند کہ اسلام نے رشتہ داروں کی مالی اعانت کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کے باوجود اس کی کوئی تعداد مقرر نہیں کی ہے اور اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ دینے والے کے حالات اور لینے والے کی ضروریات یکساں نہیں ہوا کرتیں۔ ایسی صورت میں اسلام نے مناسب یہی سمجھا کہ دینے والوں کی حیثیت اور

لینے والوں کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر دیا جائے اور اس قدر امداد و اعانت بہر حال کردی جائے جس سے حسب دستور ان کی ضرورت پوری ہو جائے، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ	وسعت والا اپنی حیثیت کے مطابق اور
وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ	کم آمدنی والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے
فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ	اور یہ یاد رکھے کہ خدا کسی پر اسکی طاقت سے
اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا. (طلاق-۷)	زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔
وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ	اور ان کو جوڑا دو۔ صاحب وسعت کے ذمہ
وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ	اسکی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست کے
(بقرہ - ۲۳۶)	ذمے اسکی حیثیت کے مطابق۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہندہؓ زوجہ ابو سفیانؓ سے فرمایا تھا۔ اپنے شوہر کے مال سے اخراجات کے لئے اتنا لے سکتی ہو، جو قاعدہ کیمطابق تمہارے لئے اور تمہارے بچوں کے لئے کافی ہوسکے۔ (بخاری)

پھر فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ حسب ذیل ضروریات کیلئے مناسب سہولتیں فراہم کیجائیں گی۔

۱ ـ خورد و نوش کی اشیاء ۔

۲ ـ سردی گرمی کے لحاظ سے مناسب کپڑے ۔

۳ ـ رہائش کے لئے مکان ۔ اور گھر کا اثاثہ ۔

۴ ـ معذور اپاہج ہونے کی صورت میں کوئی ایسا خدمت گذار جو اس کے لئے سہارا بن سکے ۔

۵۔ شادی کی خواہش رکھنے والوں کے لئے ازدواجی سہولت۔

۶۔ بیوی بچوں کے لئے معاشی بندوبست۔

شیخ الاسلام علامہ ابن قدامہؒ اپنی کتاب "کافی" میں لکھتے ہیں۔

غریب رشتہ داروں کو جیسی ضرورت ہوگی، اسی کے مطابق ان کی امداد کی جائے گی۔ یہاں تک کہ بے حد معذور ہونے کی صورت میں خدمت گذار یا بیوی موجود ہونے کی صورت میں ان کے اخراجات کی کفالت بھی کی جائے گی، نیز جن کی کفالت اسکے ذمہ ہے وہ یا اس کے باپ اور دادا کو بھی شادی کی ضرورت ہو تو مناسب طریقے سے اس ضرورت کی تکمیل کیجائے گی تاکہ ان کی زندگی سکھی ہو۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بیمار اعزہ کے علاج معالجے سے متعلق کوئی صراحت فقہاء نے نہیں کی ہے جس کی وجہ بظاہر یہ ہوسکتی ہے کہ بیماریاں روز روز نہیں ہوتیں۔ اس لئے روزمرہ کے اخراجات سے اس کا تعلق نہیں دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ترقی کے اس دور سے پہلے تشخیص وعلاج کی بنیاد تمام تر تخمینے اور اندازے پر قائم تھی، یہی وجہ ہے کہ ان دنوں لوگ اپنے علاج کی طرف بھی کم توجہ دیا کرتے تھے۔ اس لئے دوسروں کا علاج کرنے کے لئے انھیں آمادہ کرنا اتنا آسان نہ تھا، لیکن آج کے ترقی یافتہ دور میں صورت حال بالکل بدل چکی ہے۔ اور امراض کی تشخیص اور ان کا علاج بڑی حد تک یقینی ہو چکا ہے اس لئے اب کسی عزیز کو موذی امراض کے بھیانک شکنجے میں سسکتا ہوا چھوڑ دینا انتہا درجے کی سنگدلی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ علاج معالجے کی سہولیات بھی ضروری اخراجات کی فہرست میں شامل تصور کی جائیں گی۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسمیں آپ نے فرمایا:۔

یاعبَاداللہ! تداووا، فان الذی خدا کے بندو! علاج معالجے سے پہلوتہی نہ کرو

حلق الداء خلق الدواء (ترمذی) اس لئے کہ جس خدا نے امراض پیدا کئے ہیں اسی خدا نے اُسکی دوائیں بھی پیدا کر رکھی ہیں

اسلام کی اہم خصوصیت

اس میں شک نہیں کہ غریب عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فطری طور پر تمدن اور تعمیر عالم کے لئے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ بتایا گیا، یہ کوئی معمولی حکم نہیں۔ بلکہ اسلام جو اسلامی ہمدردی اور صالح تعمیر تمدن کو ایک اہم مقصد اور نصب العین قرار دیتا ہے' اس حکم کے ذریعے نہ صرف ایک فرد کی زندگی کے لئے سکون و مسرت کا سامان فراہم کرتا ہے۔ بلکہ وہ پوری انسانیت کے گلدستے کو زیادہ سے زیادہ شاداب اور تازہ رکھنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں تک قرابت اور رحم کا تعلق ہے یہ صرف اسلام کی تنہا خصوصیت ہے کہ وہ قرابتداری کو بہر صورت لازمی قرار دیتا ہے۔ اور یہ بتاتا ہے کہ اب عبادت صرف خدا پرستی کا نام نہ رہا بلکہ ان حقوق کا احترام بھی عبادت کا جزو بن گیا ہے۔

پھر دوسری طرف فقہ اسلامی نے حسن سلوک کی مختلف صورتوں کو اور قرابت داروں کے مختلف حقوق کو جس تفصیل سے بیان کیا ہے ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ قدیم یا جدید کسی مذہب یا ازم کے دستور میں اسکی اتنی ٹھوس اور مکمل تصویر نہیں مل سکے گی۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ خرچ کے حصول کے لئے ایک نادار مسلمان بھی اپنے مالدار عزیز کے خلاف اس یقین کے ساتھ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے کہ فیصلہ بالآخر اسی کے حق میں ہوگا۔ اسی طرح شرعی عدالتیں بھی اسکی پابند ہوں گی کہ حق دار کو اس کے حقوق سے محروم نہ کیا جائے گا۔

پھر ہم لوگ جن کی پرورش اور نشوونما، خوش قسمتی سے، اسلامی ملکوں یا مسلم معاشرے میں ہوئی ہے۔ ان حقوق کو واضح اور فطرت کے عین مطابق لامحالہ

سمجھتے ہوں گے ، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ شروع ہی سے ہمارے یہاں اسکی تعلیم اور اس پر عمل درآمد ہوتا آیا ہے ۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دورِ حاضر کی بعض ایسی قومیں اسے عجوبہ تصور کرتی ہیں اور یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم بھی تہذیب وتمدن کے میدان میں انھیں کو اپنا پیشرو اور پیشوا سمجھتے ہیں ۔ چنانچہ ہمارے محترم اُستاذ ڈاکٹر محمد یوسف مرسی اپنی کتاب "دنیا کو اسلام کی ضرورت" میں اسلام کے عائلی نظام پر بحث کے دوران لکھتے ہیں :-

اس موقع پر فرانس کے اس واقعہ کا ذکر بیجا نہ ہوگا ، جو میرے وہاں قیام کے دوران پیش آیا ۔۔۔ ہوا یہ کہ میں جس خاندان میں مقیم تھا ، وہاں ایک نوجوان لڑکی گھریلو کام کاج کے لئے ملازمہ تھی ۔ اس کے چہرے سے خاندانی شرافت اور عالی نسبی جھلکتی تھی ۔ میں نے اپنی میزبان عورت سے دریافت کیا اسکی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہے ۔ جس کی وجہ سے اُسے ملازمت کرنی پڑ رہی ہے ؟ میزبان نے جواب دیا ۔ یہ لڑکی شہر کے اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اس کا چچا کافی دولتمند ہے لیکن ساتھ ہی لاابالی اور بے فکرا ہے ۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا ۔ میں نے کہا پھر خرچ کے لئے یہ اپنے چچا کے خلاف کورٹ میں دعویٰ کیوں نہیں دائر کرتی ۔؟ میزبان میرا منھ تکنے لگی ، اور سخت حیرت واستعجاب کے لہجے میں کہنے لگی ، تو کیا کوئی قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے ؟ میں نے کہا کیوں نہیں ! پھر میں نے اسے بتایا کہ ایسے حالات میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں ؟ اور اس دستور میں قرابت داری کی کیا اہمیت ہے ۔ وہ خاموشی سے میری باتیں سنتی رہی ، اور پھر گہرے کرب اور حسرت کے لہجے میں کہنے لگی ، قانون سازی کی یہ اسپرٹ یہاں کہاں ؟ بھلا تم ہی سوچو اگر اس قسم کا قانونی جواز ہمارے یہاں موجود ہوتا تو اچھے گھرانوں کی یہ شریف زادیاں کیوں کسی فیکٹری ، کمپنی یا حکومت کے دفاتر میں تلاش معاش کے لئے یوں سرگرداں اور حیران پھرتیں ؟ (دنیا کو اسلام کی ضرورت ص ۳۰۴)

بابِ پنجم

تیسرا ذریعہ زکوٰۃ

- زکوٰۃ کی فرضیت
- شرطیہ علاج
- صدقہ فطر
- اسلام میں زکوٰۃ کا مقام
- زکوٰۃ کی اہمیت
-
- زکوٰۃ نہ دینے پر عذاب
- زکوٰۃ عقل کی روشنی میں
- زکوٰۃ ایک مطالبہ
- زکوٰۃ ایک قرض
- زکوٰۃ کی روح
- غریبوں کے لئے کیوں؟
- زکوٰۃ کی مقدار
- زکوٰۃ کیلئے حکومتی یا اجتماعی نظام
- قرآن پاک کی صراحت
- صحابہ کے فیصلے
- اجتماعی نظام کی ضرورت
- اجتماعی نظام پر اصرار
- اجتماعی نظام کی برکتیں۔
- بیت المال
- فقیر اور مسکین کون؟
- فقیروں کی ایک قسم
- تندرست کمانے والا زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔
- دائمی علاج
- زکوٰۃ وہ اسطرح دیتے تھے
- زکوٰۃ کیسے دی جائے؟
- زکوٰۃ کے اثرات
- زکوٰۃ اور ٹیکس
- مقامی تقسیم پر زور
- ہمہ گیر سماجی کفالت

تیسرا ذریعہ

زکوٰۃ

زکوٰۃ کی فرضیت؟

اس میں شک نہیں کہ اسلام نے ہر کس و ناکس کو اپنی اور اپنے خاندان کی جملہ ضروریات کی تکمیل کے لئے محنت مشقت کے ذریعہ اپنی روزی خود فراہم کرنے کا پابند کیا۔ پھر یہ بھی بتایا کہ جو لوگ مفلس اور تہی دست ہونے کے ساتھ ساتھ محنت مشقت سے عاجز ہوں، ان کے خوش حال رشتہ داروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان کی کفالت اور مناسب نگہداشت کریں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر مفلس کو دولتمند عزیز یا قریبی رشتہ دار میسر نہیں ہوتے، ایسے نازک موقع پر یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ اس قسم کے نادار یتیموں، بیواؤں اور سن رسیدہ مردوں اور عورتوں کا کیا ہوگا۔؟ کم سن بچوں، اپاہج، بیمار اور مصیبت زدہ افراد کو معاشرے میں پنپنے کے مواقع کیوں کر حاصل ہوں گے؟۔ اسی طرح وہ لوگ کس طرح روزی حاصل کر سکیں گے جن کے اندر کام کرنے کی پوری صلاحیت اور حوصلہ ہے لیکن انھیں روزگار نہیں ملتا، یا وہ لوگ کیا کریں گے جو برسر روزگار تو ہیں لیکن کم آمدنی اور زیادہ خرچ کی وجہ سے پریشان ہیں۔ کیا یہ مناسب ہوگا کہ انھیں بھوک اور افلاس کے شکنجے میں سسکنے کیلئے یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔؟ جب کہ ان کے ارد گرد ایسے افراد بھی موجود ہوں جو ان کے درد کا علاج جانتے ہوں، لیکن پھر بھی خاموش ہوں!۔

یقیناً اسلام انھیں فراموش نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے دولت کے امین اور اسکی نگرانی کرنے والوں سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ وہ بنیادی اور شرعی حقوق کی بجا آوری، اور ضروریات زندگی کی تکمیل کے بعد جو کچھ بچ رہے اسکی ایک مخصوص مقدار اپنے ان بھائیوں پر خرچ کریں جو زندگی کے اس سفر میں ان سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ اسی مطالبے کا نام زکوٰۃ ہے۔

اسلامی قانون کا مطالعہ بتاتا ہے کہ غربا، اور مساکین، زکوٰۃ کے اولین حقدار ہیں۔ بیشتر روایتیں ایسی ملتی ہیں جن میں بقیہ مصارف کی بجائے اسی ایک مصرف کا ذکر کیا گیا ہے! دراصل اسکی وجہ یہی ہے کہ دیگر مصارف کی بنیاد بھی یہی غریبی اور افلاس ہے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرنے سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا تھا کہ "یمن کے دولتمندوں سے زکوٰۃ وصول کرنا، اور وہیں کے غریبوں میں اسے تقسیم کر دینا۔" (بخاری)

اسی بنا پر امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف غریبوں کے لئے ہے۔

زکوٰۃ، غریبی کا شرطیہ علاج

جس طرح غریبی ایک ہمہ گیر مسئلہ ہے، اس کے انسداد کے لئے زکوٰۃ کی مدد سے حاصل شدہ آمدنی بھی کسی طرح ناکافی یا محدود نہیں اسلئے کہ حصول زکوٰۃ کے کئی ذرائع ہیں، اور ہر ذریعہ اپنی جگہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہے مثال کے طور پر ایک ذریعہ کھیتوں اور باغوں سے حاصل ہونے والی پیداوار ہے جس میں سے حسب قاعدہ چالیسواں یا بیسواں حصہ زکوٰۃ کے نام سے علیحدہ کیا جاتا ہے۔ اس زکوٰۃ کا ایک

نام عشر بھی ہے، جس کی وسعت کا اندازہ قرآن پاک کی اس آیت سے ہوتا ہے:۔

ومما اخرجنا لکم من الارض (بقرہ ۔ ۲۶۷) — اور خرچ کرو) اس میں سے جو کہ ہم نے تمھارے لئے زمین سے پیدا کیا۔

اس حدیث نبوی سے بھی اس عموم کا پتہ چلتا ہے ۔

فیما سقت السماءُ العشر، وفیما سقی بآلۃ نصف العشر۔ (متفق علیہ باختلاف الفاظ) — بارش کے پانی سے حاصل شدہ پیداوار پر عشر (دسواں حصہ) ہے اور اگر پانی کے حصول میں مشقت ہو تو اس پیداوار میں نصف عشر (بیسواں حصہ دینا ضروری) ہے۔

—

زرعی پیداوار کی طرح فیکٹری، کارخانے، (کرائے کے) مکانات، اور آمدنی کے دیگر وسائل جن سے شہری آبادی کے بڑے حصے کی معاشی ضرورتیں وابستہ ہوتی ہیں مخصوص شرطوں کے ساتھ ان کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ شہد کی مکھی سے حاصل ہونے والی شہد جو دراصل زراعتی پیداوار کے سلسلے کی ایک کڑی ہے عقل ونقل کی رو سے اس کا دسواں حصہ بھی بطور زکوٰۃ واجب ہوگا شہد پر قیاس کرتے ہوئے ریشم کے کیڑوں سے حاصل ہونے والے ریشم، پالتو مویشیوں اور گائے بھینس وغیرہ کے دودھ سے حاصل ہونے والی آمدنی کا عشر بھی بطور زکوٰۃ لیا جاسکتا ہے۔

ان مسائل میں قیاس کی حیثیت ایک شرعی دلیل کی سی ہے۔ جس کا ثبوت نص قرآنی سے ہوتا ہے۔ اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کے لئے متعدد ایسی شرطیں ملتی ہیں جس کی بنا پر ایسا کوئی قیاس نہیں کیا جاسکتا جس میں دو مختلف چیزوں میں بلا وجہ یکسانیت دکھائی جائے۔ یا دو یکساں چیزوں میں فرق ثابت کیا جائے

کہ اگر ایسا ہوا تو قیاس کی روح باقی نہ رہے گی۔

نقد زر، سرمایہ اور تجارتی اسباب کی قیمت کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ واجب ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہوگا کہ ان کا مالک مسلمان ہونے کے ساتھ صاحب نصاب ہو۔ اس کے ذمہ کوئی قرض نہ ہو، اور اس کے اہل و عیال کی روزمرہ کی ضروریات سے فاضل سرمایہ نصاب کی شکل میں اسکے پاس موجود ہو۔

مویشی جنہیں دودھ اور نسل کی افزائش کے لئے پالا جائے، جیسے اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ۔ اگر ان کی تعداد نصاب کے مطابق ہو جائے اور سال کے بڑے حصہ تک ان کی گذران، عام چراگاہوں میں ہوئی ہو۔ تو ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

البتہ امام مالکؒ کے نزدیک مویشیوں پر بہر صورت زکوٰۃ آئے گی، خواہ چرائی کا بار اس کے مالک نے سال بھر خود برداشت کیا ہو۔

بعض صحابہ و تابعین اسی طرح امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک افزائش نسل کیلئے پالے گئے گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

زکوٰۃ کی مقدار کا تعین ملکیت رکھنے والوں کی مشقت اور سہولت کو مدنظر رکھکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ جو مال آدمی کو اچانک اور یکجا طور پر مل جائے مثلاً کان، یا معدنی خزانہ وغیرہ تو اس میں سال گذرنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جس وقت وہ حاصل ہوگا، اسی وقت کل مال کا پانچواں حصہ وصول کر لیا جائے گا، اس لئے کہ سال کی قید افزائش اور منافع کے حصول کے لئے ہوتی ہے اور یہ کل کا کل نفع ہے۔ البتہ علماء محققین اس بارے میں اختلاف رکھتے ہیں کہ آیا یہ پانچواں حصہ زکوٰۃ کے مد میں خرچ کیا جائے گا یا مال غنیمت کی طرح ملکی

ضروریات اس کا مصرف ہوگا۔

صدقۂ فطر

اسلام میں مال کی زکوٰۃ کے علاوہ ایک اور زکوٰۃ ہے جو جان پر واجب ہوتی ہے اور صدقۂ فطر کے نام سے موسوم ہے۔ یہ روزوں کی ادائیگی اور عید کی آمد کی خوشی میں شکرانے کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔ اس کے اندر دو حکمتیں مضمر ہیں۔

۱۔ روزوں کی ادائیگی میں جو قصور اور نقص شامل ہوگیا ہو۔ اس کی تلافی ہو جائے

۲۔ غریبوں کی دلدہی کیجائے اور ان میں یہ احساس پیدا کیا جائے کہ اسلامی معاشرہ اور تمام مسلمان اُن کے بھائی بند ہیں۔ اور اُن کے دُکھ درد میں برابر کے شریک ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر طُهرة للصیام من اللغو والرفث وطعمة للمساكين۔ (ابوداؤد)

صدقۂ فطر کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ روزہ دار کے نقائص اور خامیوں کا ازالہ ہو اور غریبوں کے لئے روزی مہیا ہو اسلئے یہ فرض ہے۔

صدقۂ فطر ایک سالانہ فریضہ ہے، جو اپنے اندر کچھ خصوصیات رکھتا ہے۔

الف۔ یہ جان کا صدقہ ہے، اس لئے اس کی ادائیگی کیلئے مالی استطاعت شرط نہیں

ب۔ زکوٰۃ جسطرح صاحبِ نصاب مالداروں پر فرض ہے، صدقہ فطر عام مسلمانوں پر فرض ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی ادائیگی ہر مسلمان پر عائد کی ہے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت۔ امیر ہو یا غریب۔ البتہ اس کے پاس اتنا غلہ ہونا ضروری ہے جو اس کے اور اس کے اہل وعیال کی ایک روزہ ضروریات سے فاضل ہو۔

صدقۂ فطر کی فرضیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلمان خواہ دولتمند ہو یا تہی دست، اپنے جیسے دوسرے بھائیوں کی ہمدردی اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کے لئے ہمہ تن تیار ہو۔ اور یہ یاد رکھے کہ اس کا ہاتھ سدا اونچا رہے۔ اس لئے کہ نیچے والے ہاتھ سے اوپر والا ہاتھ بہر حال میں اچھا ہوتا ہے۔ اور اگر خدانہ خواستہ اس کے دل کے کسی گوشہ میں یہ خیال پرورش پا رہا ہو کہ لینے والوں سے اسکی حالت کہاں بہتر ہے؟ تو اسے اسکا چنداں غم نہ ہونا چاہئے۔ اسلئے کہ آج اس کے پاس جو قدرے زائد سرمایہ ہے۔ اگر اسکو وہ دوسروں پر خرچ کر رہا ہے، تو خدانہ خواستہ کل اگر اس کے پاس نہ رہا تو وہ محروم بھی نہ ہوگا۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو دولتمند ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (اس کے ذریعہ) خدا ان کی دولت کو پاک و صاف فرمائیں گے، اور جو نادار ہیں (اپنی ناداری کے باوجود) اگر انھوں نے فراخدلی سے خیرات کی تو خدا انھیں اس سے کہیں زیادہ دے گا، جتنا آج انھوں نے خرچ کیا ہے" امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صدقۂ فطر اسی صورت میں آسکتا ہے جب کہ آدمی مقررہ نصاب کا مالک ہو۔ بصورت دیگر اس پر صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا

ج۔ صدقۂ فطر ہر شخص تنہا اپنی طرف سے ہی نہ دے گا، بلکہ اپنی اولاد اور اپنے گھر کے تمام افراد کی طرف سے دے گا، جن کی پرورش اور سرپرستی اس کے ذمے ہو۔

د۔ شریعت نے اس کی مقدار اس قدر کم رکھی ہے، جسے ملتِ اسلامیہ کی بڑی اکثریت بلا فکر و تردد بآسانی ادا کر سکتی ہے، بلکہ ادا کرتی ہے۔ چنانچہ حسب ارشاد نبوی صدقۂ فطر کی مقدار ایک صاع گیہوں، کشمش یا کھجور ہے۔ یہ مقدار اسلئے رکھی گئی کہ عام طور پر ایک آدمی کی روزمرہ کی خوراک کم وبیش اسی قدر ہوتی ہے۔

صاع = چار لپ (متوسط ہاتھوں کے)، میٹرک پیمانے سے صاع کی احتیاطی

مقدار ۲،۱۷۶ کلوگرام گیہوں ہے ـــــ حضرت عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری، اور عطا بن رباح سے منقول ہے کہ غلّہ کی بجائے قیمت دینا بھی درست ہے، امام ابو حنیفہ بھی یہی کہتے ہیں، غالباً اسلئے کہ غریبوں کی حاجت براری کیلئے یہی بہتر ہے ـــ بہر کیف! زکوٰۃ کا موضوع بیحد وسیع موضوع ہے جسکی تفصیل کا یہ موقع نہیں، شائقین اسکے لئے ہماری کتاب "فقہ الزکوٰۃ" کا مطالعہ کر سکتے ہیں، اللہ کا شکر ہیکہ اسکے اندر کتاب و سنّت کی روشنی میں زکوٰۃ کے فضائل و مسائل تفصیل سے درج ہیں، البتہ میں مناسب سمجھونگا کہ زکوٰۃ کے کچھ گوشے یہاں اجاگر کروں جو غریبی اور اسکے ازالہ سے متعلق ہیں، مثلاً یہ کہ زکوٰۃ کا مقام، اسکی حکمت و مصلحت اور اسکے مقاصد کیا ہیں، یہ کب اور کن چیزوں پر واجب ہوتی ہے۔ اسکی جمع و تقسیم کے ذمہ دار، اور اس کے مستحق کون ہیں، زکوٰۃ اور ٹیکس میں کیا فرق ہے؟ وغیرہ۔

اسلام میں زکوٰۃ کا مقام

یہ اس دین کا اعجاز، اس کے دین الٰہی اور ابدی پیغام ہونے کی دلیل ہے کہ اس نے غریبی کے علاج اور غریبوں کے حقوق کی بحالی کیلئے پہل کی، لیکن اسطرح نہیں کہ غریبوں کے سامنے حقوق اور مطالبات کی فہرست پیش کی، یا انھیں کسی خونیں انقلاب کیلئے استعمال کیا، بلکہ اسکی بجائے ایسی مثبت تدابیر کی طرف رہنمائی کی جن سے کسی سیاسی اتھل پتھل اور ہنگامے کے بغیر صحیح معنیٰ میں غریبی کا ازالہ ہو، اور کسی کا بال بیکا نہ ہو۔

منجملہ ان تدابیر کے ایک تدبیر زکوٰۃ ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حکومتِ وقت (یا متحد مسلم سماج) کی زیرِ نگرانی ساری امت کی دولت میں فقیروں اور مسکینوں کی رعایت کا حکم دیا، اور اسے دین کا تیسرا رکن، اسلام کا مخصوص شعار، اور چوتھی اہم ترین عبادت قرار دیا۔

زکوٰۃ کی اہمیت

قرآن پاک میں بارہا نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو اسلام کے بنیادی ارکان میں شمار فرمایا ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ : شَہَادَۃُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ وان محمداً رسول اللہ، واقام الصلوٰۃ، وایتاء الزکوٰۃ وصوم رمضان، وحج البیت لِمَنِ استطاع الیہ سبیلاً (متفق علیہ)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے کلمہ طیبہ کا اقرار، نمازوں کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا۔

قرآن پاک اس کی تعلیم دیتا ہے کہ شرک سے بچتے ہوئے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اسلامی برادری میں شرکت کی نشانی اور مسلمانوں کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ چنانچہ لڑنے والے مشرکین کے بارے میں ارشاد ہوا۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ اِنَّ اللہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (توبہ - ۵)

اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز اور زکوٰۃ کو پابندی سے ادا کرنے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو اب وہ تمہارے بھائی ہوئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔

واٰتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین .. . اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں (توبہ: ۱۱)

معلوم ہوا کہ زکوٰۃ وہ عبادت ہے جس کی ادائیگی کے بغیر نہ کوئی مسلمان بن سکتا

ہے اور نہ اس عظیم تر اسلامی برادری میں شامل ہو سکتا ہے۔ جہاں ہر چھوٹے بڑے کو یہ حقوق حاصل ہوتے ہیں جو دوسروں کو حاصل ہوتے ہیں۔ جہاں خود ان سے بھی انہیں تمام حقوق کا مطالبہ کیا جاتا ہے جس کا مطالبہ اوروں سے کیا جاتا ہے۔

قرآنِ پاک نے نماز اور زکوٰۃ کو اسی لئے بار ہا یکجا ذکر کیا تاکہ دونوں کا باہمی تعلق نمایاں ہو اور ہر کوئی یہ جان لے کہ اسلام کی تکمیل دونوں کی یکجا ادائیگی میں مضمر ہے۔ چنانچہ جسطرح نماز دین کا ستون ہے۔ اس کی پابندی کرنے والا دین کی بنیادیں استوار کرنے والا سمجھا جاتا ہے، اور اسکو چھوڑنے والا دین کو ڈھانے والا متصور ہوتا ہے، بالکل اسی طرح یہ بھی بتادینا مقصود ہے کہ زکوٰۃ اسلام کا پل ہے، جو جہنّم کے دونوں سروں پر بچھا ہوا ہے، جو اس پر سے صحیح سالم گذرا وہ ہلاکت سے محفوظ ہوگا، لیکن جو غلط راستہ اپنائے گا جہنّم اسے نگل لے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے: "تمہیں نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم ہے، لہٰذا ان کی پابندی کرو، اسلئے کہ جو زکوٰۃ نہ دے اسکی نماز نہ ہوگی"۔ (تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۵۲)

حضرت جابرؓ حضرت زیدؓ سے نقل کرتے تھے کہ نماز اور زکوٰۃ یکساں فرض ہے۔ ارشاد ہے:

فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین (توبہ: ۱۱)	اگر انہوں نے توبہ کی، نمازوں کی پابندی کی، اور زکوٰۃ ادا کی تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے بغیر محض نمازیں ادا کرنے کو باری تعالیٰ بھی قبول نہیں کرتا۔ نیز کہتے تھے (ابوبکر (رضی اللہ عنہ) پر خدا رحم کرے، وہ دین کے اسرار سے کس درجہ واقف تھے، جب کہ انہوں نے کہا تھا:

واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ	جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا، میں اس سے ضرور جنگ کروں گا۔

قرآنِ کریم کی نظر میں زکوٰۃ دینا مسلمانوں کی امتیازی شان اور حق پرستوں اور نکوکاروں کا خاص شعار ہے، جبکہ زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں اور منافقوں کا شیوہ ہے، زکوٰۃ ایمان کی کسوٹی اور اخلاص و صداقت کی نشانی ہے، چنانچہ صحیح روایت میں ہے کہ:
"صدقہ روشن دلیل ہے۔" کفر اور اسلام، نفاق اور ایمان، اور بدکاری اور پرہیزگاری کے درمیان فیصلہ کن چیز ہے۔ زکوٰۃ نہ دینے والا اسلام سے خارج، اور کامیابی اور جنت الفردوس کی ضمانت سے محروم ہوتا ہے۔

قدافلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو معرضون، والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون (مومنون: ۴)	مومن کامیاب ہوئے جو ڈر اور خوف کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، لایعنی اور نکمی باتوں کی طرف مطلق توجہ نہیں دیتے، اور زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔
●۔ ھدیً وبشریٰ للمومنین الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ۔ (نمل: ۲-۳)	ایمان والوں کیلئے موجب ہدایت وخوشخبری ہے جو نماز کی پابندی کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اور آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔

زکوٰۃ نہ دینے والا کتاب اللہ کی ہدایت سے دور اور نکوکاروں کے زمرے سے خارج ہو جاتا ہے۔

ھدی ورحمۃ للمحسنین الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ وھم بالاخرۃ یومنون۔ (لقمان: ۳-۴)	نیک کام کرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں، جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

زکوٰۃ دیئے بغیر آدمی کا شمار متقی پرہیزگار اور پاکباز بندوں میں نہیں ہوتا۔

لَیسَ البِرَّ اَنْ تُوَلُّوا وُجُوھَکُمْ	یہ کوئی کمال نہیں کہ تم مشرق کی طرف رخ کرو

قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۔۔۔۔۔ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ ۔ ۱۷۷)

یا مغرب کی طرف۔ بلکہ کمال یہ ہے کہ خدا اور آخرت دن پر کامل ایمان رکھے، نبیوں، فرشتوں اور جملہ آسمانی کتابوں پر ایمان لائے۔ اور اللہ کی محبت میں اپنی دولت کو رشتہ داروں، غریبوں اور تہی دست مسافروں پر خرچ کرے۔ اسی طرح نمازوں کی پابندی کرے، زکوٰۃ دے (اور خوب سمجھ لے کہ بس انھیں کاموں سے خدا کے یہاں اس کی عزت ہوگی) اور وہ اس کے مخلص بندوں میں شامل ہوگا۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں اور مشرکوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔

چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (فصلت: ۶-۷)

برا ہو مشرکوں کا، یہ نہ زکوٰۃ دیتے ہیں، نہ ہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

زکوٰۃ میں لاپرواہی منافقوں کا شیوہ ہے۔

يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ۔ (توبہ ۔ ۶۷)

اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔

لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ۔ (توبہ ۔ ۵۴)

خرچ کرتے ہیں تو ناخوشی سے خرچ کرتے ہیں۔

درحقیقت یہی لوگ رحمتِ خداوندی سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْئٍ فَسَأَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۝

یوں تو میری رحمت سبھوں کے لئے عام ہے، لیکن اس کے خصوصی حقدار وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں، زکوٰة دیتے ہیں، اور ہماری آیتوں پر کامل یقین رکھتے ہیں۔

(اعراف : ۱۵۶)

• وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِکَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝

(توبہ - ۷۱)

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں، اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں، اور زکوٰة دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں، ان لوگوں پر ضرور اللہ رحمت کرے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر ہے، حکمت والا ہے۔

زکوٰة میں لاپرواہی کرنیوالوں کو خدا، اسکے رسول اور اللہ کے نیک بندے دوست نہیں رکھتے ہیں۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رَاکِعُوْنَ

(مائدہ - ۵۵)

تمہارے دوست، اللہ، اس کے رسول اور ایمان والے، جو نماز اور زکوٰة کی اس طرح پابندی کرتے ہیں کہ ان کے دل خوفِ خدا سے معمور ہوتے ہیں لعنی اللہ کیلئے رکوع کرتے ہیں۔

زکوٰة نہ دینے والے غیبی امداد سے بھی محروم ہوتے ہیں، اس لئے کہ :-

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝

(حج ــ ۴۰-۴۱)

خدا کی تائید اور غیبی امداد انھیں حاصل ہوتی ہے جو اس کے دین کی مدد کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو حکومت اور مرتبہ پانے کے باوجود نمازوں کی پابندی کرتے ہیں دوسروں کو اچھے کاموں کی ترغیب دیتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں۔

زکوٰۃ نہ دینے پر عذاب

قرآن پاک جہاں زکوٰۃ دینے والوں کے لئے خیر و برکت اور اجر و ثواب کا وعدہ کرتا ہے وہیں غریبوں کی حق تلفی کرنے اور اپنی تجوریاں بھرنے والوں کے لئے ہولناک اور سخت ترین وعیدوں کا اعلان بھی کرتا ہے۔

چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

(توبہ ۳۴-۳۵)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ انھیں دردناک عذاب کی خبر دیجیے۔ اس روز سونے اور چاندی کو آگ سے تپایا جائے گا۔ پھر اس سے اُن کی پیشانی، پہلو اور پشتوں کو داغا جائے گا، اور ان سے کہا جائیگا یہ وہی سونا اور چاندی ہے جسے تم اپنے لئے جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے، اب مزہ چکھو اپنے جمع کرنیکا

اسی طرح زکوٰۃ نہ دینے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وعید سنائی ہے اور دنیا میں بُرے انجام اور آخرت میں برے حشر سے خبردار کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

من اٰتاہ اللہ مالاً فلم یؤدّ زکوٰتہٗ مثّل لہٗ یوم القیٰمۃ شجاعاً اقرع لہ زبیبتان یطوقہٗ یوم القیٰمۃ ثمّ یاخذ بلھزمتیہ ثمّ یقول انا مالک انا کنزک ثمّ تلا النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا یَحْسَبَنّ الخ (بخاری)۔

جس کو اللہ نے مال دیا ہے اور اس نے اسکی زکوٰۃ نہ نکالی، اُسکا مال قیامت کے دن ایک سانپ کی شکل میں لایا جائے گا جس کی دو زبانیں ہونگی وہ اسکی گردن میں ڈال دیا جائیگا۔ پھر یہ سانپ اس آدمی کو اپنے جبڑوں میں جکڑ لیگا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ الخ

دنیا کی سزاؤں کے بارے میں آپؐ نے فرمایا:۔

مامنع قوم الزکوٰۃ الا ابتلاھم اللہ بالسّنین۔ (طبرانی)

جو قوم زکوٰۃ دینے سے کتراتی ہے خدا اسے قحط سالی اور بھوک وافلاس میں گرفتار کر دیتا ہے۔

دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا:۔

ولم یمنعوا زکوٰۃ اموالھم الا منعوا القطر من السّماءِ ولولا البھائم لم یمطروا (ابن ماجہ)

جب بھی لوگ زکوٰۃ سے غفلت کریں گے، بارانِ رحمت سے خدا انھیں محروم کر دے گا۔ اور اگر یہ بے زبان چوپائے اور مویشی ان کے پاس نہ ہوتے تو تم دیکھ لیتے کہ بارش کا ایک قطرہ بھی ان پر نہ گرتا۔

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا:۔

وماخالطت الصّدقۃ۔ اوقال الزکوٰۃ صدقہ اور زکوٰۃ کا روپیہ جس مال سے خلط ملط

مالاً الا افسدتہ۔ (بیہقی) ہو جاتا ہے، وہ مال ہلاک ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ دبانے والوں کی یہ سزائیں تو وہ ہیں جو باری تعالیٰ کی طرف سے دنیا یا آخرت میں ظہور پذیر ہوتی ہیں، یا ہوں گی، لیکن اس کے علاوہ اس جرم کی کچھ اور سزائیں بھی ہیں جسے اسلامی شریعت نے وضع کیا ہے۔ اور حاکم وقت یا اُمّت کے سربراہ کو اس کے نفاذ کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ اس حدیث کو لیجئے جس میں آپ نے فرمایا :۔

من اعطاھا مؤتجرا فلہ اجرھا	زکوٰۃ دینے والا کبھی بھی اجر سے محروم نہ ہوگا۔
ومن منعھا فانا اٰخذُھا وشطر	لیکن یاد رکھو! جو زکوٰۃ نہ دے گا، میں اسے
مالہ عزمۃ من عزمات ربنا	گرفتار کرلوں گا، اور اسکی جائیداد کا نصف حصہ
لایحل لاٰل محمد منھا شیءٌ۔	بحق باری تعالیٰ ضبط کرلوں گا، لیکن مجھے یا آلِ
(ابوداؤد)	محمد کو اس میں سے ایک پائی بھی نہ ملے گی۔

اس حدیث سے اس بات کی کھلی اجازت ملتی ہے کہ حاکم وقت ایسوں کی جائداد تک ضبط کرسکتا ہے تاکہ زکوٰۃ چوروں یا اسکی ادائیگی میں سستی کرنے والوں کی آنکھیں کھلیں، اور وہ مزید غفلت سے باز آئیں۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس سلسلے کی تمام سزائیں تعزیر میں شمار ہونگی اور یہ قاعدہ ہے کہ تعزیر کا تعین بڑی حد تک حاکم وقت یا سربراہ مملکت کی صوابدید اور موقعہ اور محل کی مناسبت پر موقوف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جائداد کی ضبطی کی بجائے قید و بند، یا جسمانی اذیت کی دوسری متبادل صورت پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر مذکورہ بالا سزائیں بھی اثرانداز نہ ہوسکیں تو حاکم یا سربراہ کو اسکی بھی مکمل اجازت ہوگی کہ ایسوں کے خلاف تلوار اٹھائے اور انھیں تہ تیغ کرادے

جیسا کہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: "واللہ لاقاتلن.." "خدا کی قسم میں اس سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔ اس لئے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، خدا کی قسم اگر وہ ایک رسی بھی جو وہ حضورؐ کو دیتے تھے، اب اس سے انکار کریں گے تو میں ان سے لڑوں گا۔ (متفق علیہ)

علامہ ابن حزم اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:۔

" زکوٰۃ روک لینے والوں کے بارے میں شرعی فیصلہ یہ ہے کہ زبردستی یا بخوشی، بہر صورت ان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جائیگا۔ البتہ جو انکار نہیں کرتے، مگر دینے کی بجائے دبانے کی تدبیر کرتے ہیں، ایسے افراد گنہگار سمجھے جائیں گے، اور انہیں وقتاً فوقتاً تنبیہ بھی کیجائیگی، تاکہ مطلوبہ رقم کی ادائیگی پر رضامند ہو جائیں، ورنہ بصورتِ دیگر ان کی سزا بحال رکھی جائے گی۔ خواہ اس انتہا میں ان کے جسم اور جان کا رشتہ ہی کیوں نہ ٹوٹ جائے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم کسی کو کوئی برائی کرتے ہوئے دیکھو اور اسے روکنے کی صلاحیت اپنے اندر پاؤ تو طاقت اور زور کے بل پر اسے روک دو...." ظاہر ہے زکوٰۃ دبانا انتہا درجے کی برائی ہے لہٰذا بااثر کو چاہئے کہ اسے بزور رفع کرے۔"

(المحلی لابن حزم صہ ۲۱۳/ج ۱۱)

زکوٰۃ عقل کی روشنی میں

اب تک پیش کی گئی صراحتوں سے زکوٰۃ کی فرضیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فریضہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں نہایت اہم اور ممتاز مقام رکھتا ہے، جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے، اور نسل در نسل تمام مسلمان اس کی افادیت، اس کی فرضیت پر متفق ہیں۔

کتاب وسنت اور اجماع امت کی طرح، عقل و بصیرت بھی زکوٰۃ کی فرضیت کو من وعن تسلیم کرتی ہے۔ چنانچہ بدائع (ج۲ ص۳) میں ہے:

۱۔ زکوٰۃ دینے کی وجہ سے سب سے پہلے دینے والے کے نفس کی اصلاح ہوتی ہے اور وہ ہر قسم کے گناہوں کی آلودگی سے بچ جاتا ہے۔ اس لئے کہ نفس اور لالچ کے درمیان گہرا تعلق ہوتا ہے اور لالچ بدترین خصلت ہے چنانچہ لالچی اور حریص کا دل مرتے مرتے مال میں اٹکا ہوتا ہے۔ اور بالآخر دنیا و آخرت کی رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ لیکن اسکے بالمقابل اگر کوئی زکوٰۃ نکالنے کا عادی بن جائے، تو اس کا نفس لالچ سے پاک ہوجاتا ہے اور اس کے اندر خدا اور بندوں سے تعلق، ان کے حقوق کی ادائیگی اور اچھے اخلاق اور پرہیز گاری جیسی بے بہا خصلتیں پیدا ہوتی ہیں، نیز ارشاد ہے: (خذمِن اموالہم صدقۃ....)۔

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعے غریبوں، اپاہجوں، کمزوروں اور ناداروں کی اعانت ہوتی ہے ناتوانوں کو توانائی اور بے آسوں کو آس ہوتی ہے۔ اور وہ خدا کی بندگی اور اپنی زندگی کی اصلاح و درستی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ پھر چونکہ دوسروں کی اصلاح بھی اہم فریضہ ہے۔ اور اس فریضہ کی تکمیل اور تشکیل زکوٰۃ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اس لئے زکوٰۃ خود ایک اہم فرض بن جاتی ہے۔

۳۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ دولت اور ثروت خداوند کریم کی زبردست نعمت ہے اور عقل کا تقاضہ ہے کہ نعمت کی قدر کیجائے۔ بس پھر اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور شکریہ ادا کرنے کی سب سے بہتر شکل یہ ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات سے جس قدر زائد ہو، اس کو ایسوں پر خرچ کیا جائے جو بڑی حد تک اس نعمت سے محروم ہیں یہ اور اس قسم کی متعدد دلیلوں اور وجوہات کا اثر ہے کہ علماء ریک زبان

ہو کر کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کا منکر کافر اور دائرۂ اسلام سے اسطرح خارج ہو جاتا ہے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

" زکوٰۃ سے انکار کا سبب اگر جہالت ہو، اور انکار کرنے والا جاہل تسلیم کئے جانے کے لائق ہو، مثلاً وہ نومسلم یا اَن پڑھ دیہاتی ہو تو ایسے شخص کو فوراً کافر نہ کہا جائیگا، بلکہ مناسب طریقے پر اسکی فہمائش کیجائے گی۔ لیکن اگر وہ دینی ماحول میں پلا بڑھا ہو تب بھی اسے تین مرتبہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے توبہ کیلئے موقع دیا جائے گا، ورنہ آخر تک انکار کرنے کی صورت میں قتل کر دیا جائیگا" (المغنی ص۵، ج۳، ۲۴۲)

زکوٰۃ ایک مطالبہ

جیسا کہ عرض کیا گیا اسلامی نقطۂ نظر سے مالداروں کے مال میں غریبوں کا حق ہے، اسی حق کا نام زکوٰۃ ہے۔ یہ حق اور اس کی مقدار نامعلوم اور مبہم نہیں، بلکہ لینے والے اور دینے والے ہر دو فریق اسے بخوبی جانتے ہیں، اور خود باری تعالیٰ نے اس کو حق قرار دیا ہے، اور اس کی مقدار متعین فرمائی ہے، چنانچہ اپنے نکوکار بندوں کے بارے میں اس کا ارشاد ہے۔

وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (ذاریات : ۱۹) — اور ان کے مال میں مانگنے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حق ہے۔

اس کے کچھ بندے وہ ہوں گے، جو اس کی جانب سے جنت میں اکرام کے مستحق ہوں گے۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے :۔

والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم (معارج : ۲۴۔۲۵) — اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے، مانگنے والے کا اور نہ مانگنے والے کا۔

اسی اہمیت کا نتیجہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ کا حق مال کے اندر متعین ہو جاتا ہے، اور اگر مالدار زکوٰۃ ادا نہ کرے اور سال گذر جائے تو بقدر زکوٰۃ مال جو دراصل فقیر کا حق تھا، اس شخص کے سرمائے میں شامل مانا جائے گا، اور فقیر بطور حصہ دار اس کا شریک رہے گا، اب اگر مالک کل مال کا لین دین یا اس کا سودا کرے گا تو یہ سودا اس کے مال میں جاری نہ ہوگا، جو بقدر زکوٰۃ اس کے مال میں ضم ہے۔ اور اگر فقیر مر جائے گا تو اس کے اہل و عیال اس مال کے وارث ہوں گے، اس لئے کہ زکوٰۃ کی جس قدر مقدار اس کے مال میں مل چکی تھی وہ دراصل فقیر کا حق تھا، وہ شخص اس کا مالک نہ ہوگا۔

اسلامی نقطۂ نظر سے دولت، ملکیت اور اس کی حیثیت کا علم ہو جانے کے بعد زکوٰۃ کے حق ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، اس لئے کہ شرعی طور پر یہ امر مسلم ہے کہ وہ تمام اشیاء جسے انسان اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔ ان سب کی نسبت صرف اسی کی طرف کرنی چاہئے جو ان کا خالق بھی ہے اور مالک حقیقی بھی، جبکہ انسان صرف ایک چیز کا ذمہ دار ہے۔ اور یہ چیز منصب خلافت اور نیابت ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَكُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِيۡنَ فِيۡهِ ۔ اور جس مال میں اس نے تم کو جانشین بنایا اس میں سے خرچ کرو۔ (حدید، ۷)

یہ اور دوسری آیتیں کھلم کھلا اس بات کا اعلان کرتی ہیں کہ دولت کسی کی جاگیر نہیں، بلکہ اس کے اصل مالک نے انسانوں کو اس کا امین اور نگراں ٹھہرایا ہے۔ اب یہ انسان کا فرض ہے کہ اس خالق و مالک کے احکام اور اس کے بتلائے ہوئے حقوق کی رعایت کرے، اور انہیں ادا کرنے کی فکر کرے۔

زکوٰۃ ایک قرض

زکوٰۃ کے سلسلے میں بیان کی گئی انہی خصوصیات اور افادیت کے پیش نظر شریعت کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ زکوٰۃ ایک قرض ہے اور کوئی شخص بھی جبتک اپنے ذمہ کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گا، نہ اسے چھٹکارا ملیگا نہ ہی زکوٰۃ اس سے ساقط ہوگی خواہ اس طرح ایک طویل عرصہ نہ گذر جائے۔ چنانچہ علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

" جس نے ایک سال کی یا اس سے زیادہ کی زکوٰۃ نہ دی خواہ اس لئے کہ اسے ادائیگی کا صحیح علم یا طریقہ معلوم نہ تھا یا اسلئے کہ بیت المال کا کارندہ وصولی کیلئے اس تک نہ پہنچ سکا۔ یا وہ زکوٰۃ ہی دبالینا چاہتا تھا، اسی طرح زکوٰۃ خواہ نقد روپیوں کی تھی یا پیداوار یا مویشیوں کی ہر حال میں اس شخص کو چاہئے کہ ہر چیز کا حساب لگاکر ان کی پائی پائی زکوٰۃ اپنی زندگی میں ادا کردے۔ اور اس کے بعد کہیں دوسرے قرضوں کی فکر کرے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ خود زبردست قرض کی حیثیت رکھتا ہے"

(محلی ص۹۷ ج۸)

دوسرے قرضوں کے مقابلے میں زکوٰۃ کے قرضے کو اس لئے بھی نمایاں اور ممتاز مقام حاصل ہے کہ حکومتوں کا مقرر کردہ ٹیکس کسی قانونی موشگافی یا لمبے عرصے تک عدم ادائیگی کے تحت ساقط الاعتبار ہو سکتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں زکوٰۃ کا قرضہ ان دو میں سے کسی ایک کے ذریعہ بھی ختم نہیں کیا جا سکتا بلکہ فرد کے دین وایمان اور اس کے عقیدے کی سلامتی کا زبردست پیمانہ اور نشان قرار پاتا ہے۔ اسلئے کہ زکوٰۃ، خدا، بندگان خدا، خصوصاً فقیروں کا حق ہے۔

پھر امام مالکؒ و شافعیؒ اور متعدد ائمہ کا مسلک یہ بھی ہے کہ فرضیت زکوٰۃ کے

بعد موت واقع ہونے کی صورت میں میت کے ترکے سے زکوٰۃ وصول کیجائیگی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک میں ہے۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوْصِىْ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۔ (نساء ۱۲) ترکہ کی تقسیم قرض کی ادائیگی اور وصیت پوری کرنے کے بعد عمل میں لائی جائے گی۔

(المغنی لابن قدامہ ص ۶۸۳ ج ۲)

اور جیسا کہ ابن حزم کے حوالے سے بتایا گیا، زکوٰۃ بھی ایک قرض ہے جس کا مطالبہ کرنے والا باری تعالیٰ ہے البتہ فقراء اور مساکین اس کیطرف سے زکوٰۃ کی رقمیں وصول کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں علامہ ابن حزمؒ نے زکوٰۃ کے اسی امتیاز کے ثبوت میں صحیح مسلم کی یہ روایت پیش کی ہے کہ۔

جاء رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال ان امى ماتت وعليها صوم شهر أفأقضيها عنها؟ فقال لو كان على امك دين اكنت قاضيه عنها، قال نعم: قال فدين الله احق ان يقضىٰ۔ (مسلم)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صاحب آئے اور عرض کیا، اے خدا کے رسول، میری والدہ کا انتقال اس حال میں ہوا کہ ان کے ذمہ ایک ماہ کے روزے باقی رہ گئے۔ کیا میں ان کے اس قرضے کو ادا کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اگر تمہاری والدہ مقروض ہوتیں تو کیا تم ان کا قرض ادا نہ کرتے، انھوں نے عرض کیا ضرور کرتا۔ آپ نے فرمایا پھر خدا کے قرض کی ادائیگی اس سے کہیں زیادہ مقدم ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ فرض ہو جانے کے بعد لیکن ادا

کرنے سے پہلے موت واقع ہونے کی صورت میں ادائیگی ساقط نہ ہوگی بلکہ یہاں اتنا اضافہ کرلیجئے کہ خواہ یہ موت میدان جنگ میں لڑکر شہید ہوجانے کی صورت میں کیوں نہ نصیب ہوئی ہو۔ اس لئے کہ مسلم ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

یغفر للشہید کل ذنب الا الدین — قرض کے سوا شہید کے سارے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ (مسلم)

اور یہ صحیح ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ اور دیگر علماء نے زکوٰۃ کو ان قرضوں میں شمار کیا ہے، جو کبھی معاف نہ ہوں گے، (منار السبیل ج ۲ ص ۲۸۵) ۔۔ درحقیقت زکوٰۃ اسلام کا ایسا بنیادی رکن ہے جو طویل عرصہ گذرنے یا موت واقع ہونے سے بھی ساقط نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسرے قرضوں کے مقابلے میں اسے انتہائی اہمیت اور امتیاز بھی حاصل ہے۔ چنانچہ ٹیکس کی وصولیابی کا موجودہ طریقہ اس معنیٰ میں اسلام کی پیروی کرتا ہے، کہ قرض خواہوں کی قطار لگ جانے کی صورت میں حکومت اپنا قرض پہلے وصول کرتی ہے اور ٹال مٹول کی صورت میں سخت کارروائی کرتی ہے۔

زکوٰۃ کی روح

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ زکوٰۃ کی روح یہ ہے کہ دولت پاکر کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تنہا اسکی اپنی ملکیت ہے بلکہ یہ خدا کا فضل ہے جس کے لئے اسے منتخب کیا گیا ہے۔ پھر اس میں شک نہیں کہ اس حقیقت کو بطور عقیدہ منوا لینے کے بعد اور زکوٰۃ کو فرض قرار دے کر اسلام نے غریبوں اور مالداروں

کے درمیان ایسا توازن قائم کیا، جو صرف قانون الٰہی اور آئین فطرت ہی انجام دے سکتا ہے، چنانچہ جیسا کہ عرض کیا گیا، خود حق تعالیٰ نے دولت اور ملکیت کی حدود اور قیود متعین کی، اور بندوں کو ان کی پابندی کا حکم دیا۔

بہرکیف اب ایک طرف زکوٰۃ کی اسی روح اور اسپرٹ کو لیجئے جو اسلام کی اپنی پیدا کردہ ہے اور جس سے وہ غریبی کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ اور دوسری طرف سوشلزم یا اسکی آخری حد مارکسسٹ کیمونزم کو لیجئے، جس نے "غریبی ہٹاؤ" کا بلند بانگ دعویٰ اپنا کر غریبوں کی خیر خواہی اور ان کے حقوق کے نام سے شور و غل مچایا۔ اور اس کے لئے طریق کار بھی کچھ اس قسم کا اپنایا، جو عقل و بصیرت کی بجائے جذبات کو اپیل کرے۔ چنانچہ انھوں نے غریبوں سے کہا ــــ تمہارے یہاں چوری ہوئی! اور چور یہ سرمایہ دار ہیں! اس قسم کے ہیجان انگیز نعروں سے انھوں نے غریبوں کے دلوں میں نفرت اور طبقہ واریت کی آگ لگائی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نہ غریبوں کے یہاں چوریاں ہوئیں، نہ ہی سرمایہ دار کوئی چور ہیں۔ اور نہ غریبوں کی غریبی میں سرمایہ داروں کا ہاتھ ہے۔

علاوہ ازیں بقول ڈاکٹر ابراہیم سلام :-

سوشلسٹوں کے گروپ میں ہمیں ایک طبقہ ایسا بھی نظر آتا ہے، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے نظریات اسلامی اصولوں سے میل کھاتے ہیں جب کہ ان میں دوری ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ، "غریبوں اور سرمایہ داروں کے درمیان ازل سے ایک معاہدہ ہوا ہے کہ ایک کی محنت ہوگی اور دوسرے کا سرمایہ ہوگا۔ چنانچہ اسی معاہدہ کے تحت غریب محنت کرتے رہے لیکن اس کے باوجود

وہ غریب سے غریب تر ہوتے رہے اور دوسری طرف سرمایہ دار غریبوں کا خون چوس کر ان کا استیصال کرتے رہے۔ تاآنکہ وہ وقت آیا جب کہ غریبوں نے سرمایہ داروں کی عیاری اور چالبازی کو بھانپ لیا، اور ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ ان مالداروں سے اپنا وہ بقایا وصول کریں جو عرصہ دراز سے ان کی محنت کی وجہ سے ان سرمایہ داروں کی تجوریوں میں جمع ہوتا رہا ہے۔"

(دین و اخلاق)

آپ سوچیں گے کیا یہ درست ہے؟ لیکن میں بتاتا ہوں کہ یہ نظریہ غلط اور گمراہ کن ہے، اور اس کا مقصد عام ہیجان اور بےچینی پھیلانے کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ ہر کوئی دیکھ سکتا ہے کہ یہ نظریہ ایک فرضی معاہدے سے شروع ہو کر عام لوٹ مار کی خفیہ تلقین پر ختم ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ ظلم اور بڑھے گا؟ اس کی بجائے دیکھئے کہ . . . ایک مثبت صورت یعنی زکوٰۃ کے ذریعہ اسلام اشتراکیوں سے کہیں زیادہ پاکیزہ اور وسیع پیمانے پر غریبوں کی کفالت اور نگہداشت کس طرح کرتا ہے؟۔ (ایضاً)

۱۔ اسلام غریبوں کو مالداروں کی دولت میں حصہ دار ہی نہیں بلکہ حقدار بھی قرار دیتا ہے، لیکن یہ حق فرضی یا مجہول تصور نہیں کرتا، جیسا کہ دوسرے سمجھتے ہیں اور نہ اس حق کو کسی معاہدے کا نتیجہ تصور کرتا ہے۔ بلکہ اس کی مخصوص اور معقول مقدار مقرر کرتا ہے۔ چنانچہ اسلام میں زکوٰۃ ایسا فریضہ ہے جو ایک طرف خدا کا حق ہے اور دوسری طرف بندوں کے حقوق میں شامل ہے۔ اس لئے اس معاملے میں کوتاہی کرنے والا خدا اور بندے دونوں کی حق تلفی کرنے والا تصوّر کیا جائیگا پھر زکوٰۃ خدا کا حق اس طرح ہے کہ وہی ہر چیز کی طرح مال و دولت کا بھی خالق و

مالک اور رازق ہے اور ساری کائنات اسی کی تابع اور مسخر ہے۔ اور اسی مالک حقیقی نے زکوٰۃ کو دینے کے لئے ایک سے زائد تاکیدی احکام دیئے۔ بندوں کا حق اس طرح ہے کہ بندے غربت اور افلاس کی وجہ سے اس کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور دینی رشتوں کی وجہ سے انھیں اس کے وصول کرنے کا حق پہنچتا ہے۔

غریبوں کے لئے کیوں؟

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی بتائی ہوئی ان وجوہات کو پیش کیا جائے جن سے معلوم ہوگا کہ سرمایہ داروں کی دولت میں غریبوں کا حق کیونکر نکلتا ہے۔

پہلی وجہ: فطری بات ہے کہ جو کوئی اپنے روزمرہ کے اخراجات سے کچھ رقم بچا کر رکھتا ہے۔ باوجودیکہ اس سے کہیں زیادہ ضرورت دوسروں کو ہوتی ہے۔ مگر پھر بھی یہ حق تنہا اسے حاصل ہوتا ہے کہ وہ انھیں جہاں چاہے استعمال کرے یا نہ کرے، یہ اسلئے کہ روپیہ اسی کا ہے۔ اور اس کے اپنے روپیہ پر اس سے زیادہ حق کس کو حاصل ہو سکتا ہے؟ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بےحد غریب اور فاقہ مست آدمی ایسے کسی مالدار کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے اور خود کو امداد و اعانت کا حق دار ثابت کرتے ہوئے اس بات کی پرزور درخواست کرتا ہے کہ مخاطب اسکی کسی طرح مدد کردے۔ سوچیں تو معلوم ہوگا کہ مالدار کی ضرورت سے زائد رقم پر اس کے حق کے ساتھ ساتھ اس دوسرے کا کچھ نہ کچھ حق نکلتا ہے۔

مالک کا حق ۔ جیساکہ آپ جانتے ہیں اس طرح نکلتا ہے کہ اس نے
اس کے حصول کے لئے انتھک کوششیں کیں، اور انتہائی دانشمندی
کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی ضرورت کے لئے اسے بچا کر رکھا۔ لیکن
اس غریب کا حق بھی اسلئے نکلتا ہے کہ وہ مصیبت زدہ اور بے حد
پریشان ہے، اور امداد کا سخت محتاج ہے۔ یہاں آپ یہ بھی تسلیم
کریں گے کہ الگ الگ رجحان کے حامل ان دونوں افراد کو جب غلط
آب وہوا ملتی ہے، ان کے اندر نفرت پروان چڑھتی ہے۔ اور پھر
دنیا دو طبقوں میں بٹ جاتی ہے۔ ایک طرف وہی باشعور مالدار
سرمایہ دار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور دوسری طرف وہ فاقہ
مست حقوق کی طویل فہرست لے کر سڑکوں اور چوراہوں پر نکل جاتا
ہے۔ اور پھر یہ اختلاف ۔ تصادم کی حد تک پہنچ کر پرسکون
بستیوں کو ویران بنا کر رکھ دیتا ہے۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ
ایسے ہر موقع پر اسلام ثالث بالخیر ہوتا ہے اور دونوں فریق کو صحیح
مشورے دیتا ہے۔ چنانچہ اس موقعہ پر وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ محنت
وتدبر اور نگرانی کی وجہ سے دولت پر ملکیت کا حق مالک کو پہنچتا
ہے۔ لیکن غریبی اور افلاس کی وجہ سے اس دولت کی ایک مخصوص
مقدار پر اس غریب کا بھی حق ہوتا ہے اور اس کا یہ حق اُسے ملنا
چاہئے ۔

دوسری وجہ :۔ یہ ہے کہ زاید رقم کو اگر کوئی گھر میں
ڈال لے، یا تجوری میں بند کرے تو کسی کام نہ آئے گی۔ اور یونہی

پڑی رہیگی لیکن جب اس دولت کا ایک حصہ تجوری سے نکل کر غریبوں کی بستی میں گردش کرنے لگے گا تو اگرچہ بظاہر اس دولت مند کو دنیا میں کوئی فائدہ نہ پہنچے گا، لیکن اس گردش سے اس بستی والوں کو ضرور فائدہ پہنچے گا، ان کا کام بھی بن جائے گا اور خدا کے حکم پر اس کا عمل بھی ہو جائے گا۔ اور کیا عجب کہ وقت آنے پر وہی غریب اس دنیا میں اس کے بھی کام آجائے؟

تیسری وجہ:۔ تیسری اور آخری وجہ یہ ہے کہ غریب اور مسکین خدا کا کنبہ ہیں (اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ) اور مالدار اُسکی دی ہوئی دولت کے نگراں ۔ اور یہ بڑی زیادتی ہے کہ جس کا روپیہ ہو، اسی کے اہل و عیال پر اسے خرچ نہ کیا جائے۔" (تفسیر کبیر صفحہ ۱۰۳ جلد ۱۶)

چنانچہ مشہور حدیث قدسی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے بندے سے کہیں گے۔ اے بنی آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا؟ وہ کہے گا، میں کیسے آپ کو کھانا دیتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تجھ کو خبر نہیں، میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے اسکو کھانا نہیں دیا۔ اگر تو اسکو کھانا کھلاتا تو وہ میرے پاس پہنچتا! ۔

زکوٰۃ کی مقدار

۲۔ اسلام میں زکوٰۃ کی مقدار انتہائی عدل وانصاف پر مبنی ہے اس میں ایک

طرف سرمایہ دار کی محنت کی رعائت کی گئی ہے اور دوسری طرف غریب کی حاجت اور ضرورت کا لحاظ کیا گیا ہے۔ سرمایہ دار یہ شکایت نہیں کر سکتا کہ اس پر ناقابل برداشت بوجھ ڈال دیا گیا، نہ غریب یہ گلہ کر سکتا ہے کہ اسکی ضرورتوں کا خیال نہیں کیا گیا۔

چنانچہ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

" زکوٰۃ کب؟ کتنی؟ اور کن چیزوں پر واجب ہوتی ہے؟ اسی طرح کن لوگوں سے لے کر کن لوگوں کے حوالے کی جاتی ہے؟ ان سب امور سے متعلق تسلی بخش جوابات، حدیث و فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور ان کی تفصیل و تحقیق میں پورا کتب خانہ تیار کیا جا چکا ہے۔ ان تفصیلات میں مالداروں اور غریبوں دونوں کی رعایت کی گئی ہے۔ اور سرمایہ داروں کو بتایا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی مال اور مالدار دونوں کی پاکی کا باعث اور دونوں کیلئے خیر و برکت کا سرچشمہ ثابت ہوتی ہے۔ جیسے انگور کی اوپری شاخ کو کاٹ دینے کے بعد اسکی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ زکوٰۃ دینے والا نہ صرف اپنی دولت کو محفوظ پاتا ہے۔ بلکہ اس کی بقا و ترقی اور اس کے اندر ایک خاص قسم کی برکت کو اپنی نظروں سے دیکھ بھی سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ بھی بڑی حکمت تھی کہ اس نے زکوٰۃ کی تقسیم کو کسی کی رائے یا شخصی ذمہ داری پر نہیں چھوڑا۔ اور نہ اس کو ان انسانی جذبات کے حوالے کیا جن میں مدوجزر اور اتار چڑھاؤ

ہر وقت ہوا کرتا ہے اس کو قانون سازوں اور علماء یا حکام کے حوالے بھی نہیں کیا۔ اس لئے کہ ان پر کلی اعتماد ممکن نہ تھا۔ بلکہ اس کی تقسیم اور مصارف کی نشاندہی خود فرمائی اور زکوٰۃ پانے والوں کو آٹھ حصّوں میں تقسیم کیا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آٹھ مصارف دو بنیادی قسموں میں بٹے ہوئے ہیں۔

● ۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو بجا طور پر ضرورتمند اور محتاج ہیں۔ ایسے لوگ فقراء، مساکین، غلام، اور ایسے مسافر ہیں جو وطن سے دور جا پڑے ہیں، اور ان کا توشہ اور خرچ کے لئے روپیہ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔

● ۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن سے نفع کی امید ہوتی ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ خود ضرورت مند اور محتاج ہوں اس زمرے میں زکوٰۃ کے وصول کرنے والے مولفہ قلوب مجاہدین اور ایسے مقروض شامل ہیں جو مسلمانوں کے باہمی جھگڑے مٹانے کے پیچھے یا کسی کی ضمانت وغیرہ لے لینے کے سبب قرض میں دب گئے ہوں، ورنہ یہ امر مسلم ہے کہ اگر لینے والا محتاج نہ ہو، یا اسے دینے میں عام مسلمانوں کا کوئی فائدہ نہ ہو تو ایسے آدمی کو زکوٰۃ کبھی نہیں دی جائے گی۔

یوں تو زکوٰۃ سال میں ایک بار فرض ہوتی ہے۔ البتہ باغات اور کاشت کا سال اسوقت پورا سمجھا جائے گا جب کہ پھل یا کھیتی پک کر تیار ہو۔ اور اسی وقت کل پیداوار کا دسواں حصہ سالانہ

زکوٰۃ کے طور پر ادا کر دیا جائے گا۔ عشر سال پر اس لئے واجب ہوگا کہ ہفتہ عشرہ کی ادائیگی واجب ہونے کی صورت میں مالدار کا نقصان اور عمر میں ایک بار ادائیگی لازم کرنے کی صورت میں غریبوں کا نقصان ہوگا۔

زکوٰۃ کی مقدار کا تعین نصاب کی ملکیت رکھنے والوں کی مشقت اور سہولت کو مدّنظر رکھ کر کیا گیا ہے۔ چنانچہ جو مال آدمی کو اچانک اور یکمشت جا طور پر مل جائے۔ مثلاً کان یا خزانہ وغیرہ تو اس میں سال گذرنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا بلکہ جس وقت وہ حاصل ہوگا اسی وقت کُل مال کا پانچواں حصہ وصول کر لیا جائے گا۔ اس لئے کہ سال کی قید افزائش اور منافع کے حصول کے لئے لگائی گئی ہے اور یہ کل نفع ہے۔ ہاں جس کی یافت میں خود اسکی محنت اور تگ و دو کا دخل ہو، اس پر دسواں حصہ واجب ہوگا: مثلاً کھیتی اور پھل وغیرہ، پھر یہ وہ کاشت ہوئی جس کو بونے اور جوتنے کا کام خود اس نے کیا تھا لیکن اسکی سینچائی کنویں یا رہٹ کی بجائے صرف بارش کے پانی کی مرہون منت تھی۔ البتہ اگر اسکی سینچائی کی مشقت بھی خود اسے برداشت کرنی پڑی تھی تو اس پر بیسواں حصہ واجب ہوگا۔ اگر کوئی کام ایسا تھا جسکی آمدنی اور افزائش کا انحصار مالک کی محنت، انتظام اور نگرانی پر تھا جیسے تجارت، جس میں دور دراز کا سفر، اسباب کی نگرانی اور حفاظت اور فروخت کا طویل انتظار کرنا ہوتا ہے تو

اس صورت میں مذکورہ بالا مقدار کا بھی نصف یعنی چالیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔ اس لئے کہ تجارت میں کاشت کاری سے زیادہ دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے نیز تجارت کے مقابلے میں کاشت کاری میں پیداوار زیادہ اور اس کے مقابلے میں محنت قدرے کم صرف ہوتی ہے۔ اس لئے زرعی پیداوار کا بلیسواں حصہ اور تجارتی اموال کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ لیا جائے گا۔ اسیطرح آسمانی پانی سے سیراب کھیتی میں پیداوار زیادہ اور محنت کم ہوتی ہے۔ جب کہ کنویں، رہٹ، یا نہری پانی سے سینچائی میں محنت زیادہ اور پیداوار کم ہوتی ہے۔ اس لئے پہلی صورت میں دسواں حصہ اور دوسری صورت میں بیسواں حصہ بطور زکوٰۃ لیا جائے گا۔ رہا دفینہ اور خزانہ تو دیگر تمام وسائل کے مقابلے میں دفینے کے اندر محنت نہیں کے برابر، اور افزائش اور یافت تمام کی تمام ہوتی ہے۔ اس لئے دفینہ کا پانچواں حصہ بطور زکوٰۃ واجب ہوگا۔ پانچواں حصہ اسلئے کہ کُل دفینہ پانے والے سے لے لینا، کسی طرح انصاف نہیں کہلائے گا۔ نہ ہی پانے والے کے حوالے کُل دفینہ کر دینا، غریبوں کیلئے سود مند ہوگا۔"

(زاد المعاد ج ۱ ص ۳۰۶-۳۰۸)

زکوٰۃ کیلئے حکومتی یا جماعتی نظام

زکوٰۃ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اسکی وصولیابی یا ادائیگی کی ذمہ داری تنہا افراد کے سر نہیں ڈالی گئی، نہ ہی انفرادی خیرات جیسی کوئی شکل اختیار

کی گئی۔ اس لئے کہ اس صورت میں اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوتا کہ خدا اور آخرت پر اعتماد کرنے والے اسکی ادائیگی میں کوئی کسر نہ رکھتے۔ لیکن بددین اور بے فکرے زکوٰۃ دینے کا نام تک نہ لیتے۔ اور اسطرح یہ عظیم الشان منصوبہ رائیگاں ہوتا۔ جس کی تنظیم اور نفاذ پوری اُمّت کی فلاح وبہبود کے لئے عمل میں لایا گیا تھا۔ اس لئے ضرورت اسکی ہوئی کہ جس طرح نماز کا مزاج اور اسکی ایک شرعی حیثیت ہے کہ اس کو جماعت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کا مزاج اور اسکی شرعی حیثیت یہ طے پائی کہ حکومت (یا جماعت) کی سرپرستی میں کوئی منظم ادارہ اسکی وصولیابی اور تقسیم کا ذمہ دار بنے اور اس اہم فریضے کو بحُسن وخوبی انجام دے۔

قرآن پاک کی صراحت

زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کے لئے قرآن پاک نے "عاملین" (تحصلیدار اور ہرکارے) کے نام سے مستقل ایک جماعت کی داغ بیل ڈالی۔ اور ان کو اس مد کے جملہ آمد وصرف کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اور اُن کے اخراجات کیلئے اسی مد سے ایک حصہ مقرر کیا، تاکہ وہ بے نیاز ہو کر یکسوئی سے اپنا کام کرسکیں۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ	صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں
وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا	کا، اور جو کارکن ان صدقات پر متعین ہیں اور
وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ	جن کی دلجوئی کرنا منظور ہے، اور غلاموں کی
وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ	گردن چھڑانے میں اور قرضداروں کے
وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ	قرضے میں اور جہاد میں اور مسافروں میں یہ حکم

اللہِ واللہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝ — اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور بڑی حکمت والے ہیں۔
(توبہ ۶۰)

قرآن پاک کی اس صراحت کے بعد کسی قیل وقال کی گنجائش نہیں۔ ایک دوسری آیت میں مصارف زکوٰۃ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن پاک نے کہا ہے:-

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (توبہ) — آپ ان مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو گناہ کے آثار سے پاک وصاف کردیں گے۔

سلف صالحین اور اس دور کے تمام علماء اور عام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے۔ اور اس حکم کے مخاطب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور وہ تمام افراد ہیں، جن کے ہاتھ میں مسلمانوں کی زمام اختیار ہو۔

اجتماعی نظام کی ضرورت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کے راوی ہیں اور ان کی روایت صحیحین اور ان کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں وارد ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور ان کی روانگی کے وقت بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا کہ تم ایک ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں اس لئے سب سے پہلے

اعلیھم ان اللہ افترض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیاءھم فترد علی فقراءھم فان ھم اطاعوک لذالک فایاک وکرائم اموالھم واتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھا وبین اللہ حجاب (متفق علیہ)

انہیں اس بات کی دعوت دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ یہ بات قبول کر لیں تو ان کو بتاؤ کہ) اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ جو ان کے مالداروں سے لیجائے گی۔ اور انھیں کے، غریبوں کو دیدی جائیگی۔ اور اگر وہ یہ بات بھی منظور کر لیں تو تمہیں چاہیئے ان کے بہترین مال پر ہاتھ ڈالنے سے پرہیز کرو اور مظلوم کی بددعا سے بچو اسلئے کہ اللہ اور اسکے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

حدیث کے ان الفاظ "توخذ من" سے پتہ چلتا ہے کہ محکمہ تحصیلات کے کارندے زکوٰۃ کی فراہمی کیلئے مالداروں کے یہاں جائیں نہ یہ کہ اس مسئلہ کو انکی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہیکہ زکوٰۃ کی وصولیابی اور خرچ کا کام امام خود کرے یا اس کا نائب کرے۔ اور جو نہ دے اس پر سختی کرے۔ (فتح الباری ج۳ ص۲۳۱، نیل الاوطار ج۴ ص۳۴)

تاریخ شاہد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کا عمل اس کے مطابق تھا علماء نے صراحت کی ہے کہ امام زکوٰۃ کی وصولیابی کا انتظام بھی سنت کے مطابق اسی طرح کرے۔ تاکہ کوئی جہالت یا بخل کے سبب زکوٰۃ نہ روکے۔ (المجموع ج۶ ص۱۶۸)

نیز مالداروں کا بھی فرض ہے کہ وہ امیر کے نمائندوں، اور تحصیلداروں کے ساتھ تعاون کریں۔ اور کچھ چھپائے بغیر بلا دی پوری زکوٰۃ ادا کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کا یہی معمول تھا۔

حضرت جابر بن عتیکؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے تمہارے پاس ایسے سوار آئیں گے جن سے ممکن ہے تمہیں، نفرت بھی ہو جائے۔ لیکن بہر صورت جب وہ آئیں تو تم ان کے ساتھ کشادہ پیشانی کے ساتھ پیش آؤ، اور انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر انھوں نے انصاف سے کام لیا تو ان کا اپنا فائدہ ہوگا، اور اگر زیادتی کریں گے تو نقصان کے ذمہ دار خود ہوں گے۔ (ابوداؤد)

اس حدیث میں جو آپ نے ان ہرکاروں کو باعثِ نفرت قرار دیا، تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کا کام روپیہ وصول کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ روپیہ کے معاملے میں ہر کوئی تنگ دل ہوتا ہے۔

وَکَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا (اسراء: ۱۰۰) اور آدمی ہے بڑا تنگ دل

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، اگر میں آپ کے ایلچی کو اپنے ذمہ کی زکوٰۃ ادا کر دوں تو کیا اللہ اور اس کے رسول، کے نزدیک میں بری ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا، ہاں اگر تم نے اسے دیدیا تو تم بری ہو۔ اور تمہیں اجر ملے گا۔ اور گنہگار وہ ہوگا، جو اس میں فرق کرے گا۔

صحابہ کے فیصلے

سہیل بن ابوصالح اپنے والد کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب ان کے پاس اتنی رقم جمع ہو گئی جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی تھی تو انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص، ابوہریرہ ابوسعید خدری اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا، کہ میں ان کی زکوٰۃ حاکم وقت کے حوالے کر دوں؟ یا خود غریبوں میں تقسیم کر دوں۔ اس کے جواب میں ان سبھوں نے یہی کہا حاکم وقت کے حوالے

کر دو۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا، آپ صاحبان دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ حکام کس طرح زکوٰۃ کو استعمال کر رہے ہیں، کیا زکوٰۃ انھیں دینا درست ہے؟ (بنو امیہ کا زمانہ تھا) جواب میں انھوں نے یہی کہا کہ زکوٰۃ حکام ہی کو دی جائے گی۔

(مسند سعید بن منصور)

حضرتِ ابن عمرؓ فرماتے ہیں، زکوٰۃ حاکم وقت کے پاس جمع کر دو۔ اگر انھوں نے ٹھیک ٹھیک اس کا نظم کیا تو بہتر، ورنہ اس کا وبال خود ان کی گردن پر ہوگا۔ (بیہقی)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے ایک ملازم سے جو طائف میں ان کی جائداد کا نگراں تھا۔ ایک بار دریافت کیا ان کی زکوٰۃ کہاں خرچ کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کچھ حاکم وقت کو دیتا ہوں اور جو بچ رہتی ہے۔ اسے غریبوں میں بانٹ دیتا ہوں۔ حضرت مغیرہ نے یہ سنا تو خفا ہوئے، اور فرمایا، ساری زکوٰۃ حاکم کو کیوں نہیں دیدیتے؟ اس نے عرض کیا، آپ جانتے ہیں موجودہ حکام زکوٰۃ تک اپنے عیش ونشاط کیلئے استعمال کر رہے ہیں! کیا اس کے باوجود انھیں زکوٰۃ دینی چاہئے؟ آپ نے جواب دیا۔ کیوں نہیں، زکوٰۃ انھیں کے حوالے کرنی چاہئے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہی کہا ہے۔

(بیہقی۔ المجموع ص ۱۶۲-۱۶۴ ج ۶)

مذکورہ بالا احادیث اور صحابہ کرام کے اقوال کے مطالعہ سے یہ یقین پختہ ہو جاتا ہے کہ اسلامی شریعت زکوٰۃ کی جمع و تقسیم کو حکومتی سطح پر چلانا چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک طرف حکومت کے محکمہ تحصیلات کو زکوٰۃ کی رقم خاص طور پر جمع کرنے کا پابند بناتی ہے اور مستحق افراد کا پورا پورا جائزہ لینے کے بعد ان میں تقسیم کرنے کی تاکید کرتی ہے۔ اور دوسری طرف عوام کو بھی خبردار کرتی ہے کہ وہ تحصیلداروں

سے بہر صورت تعاون کریں۔ وہ قصور کریں تو کریں، لیکن خود اپنی طرف سے کسی قسم کا نقص یا قصور نہ آنے دیں۔ ورنہ اجتماعیت منتشر ہوگی، اور بیت المال کا نظم بگڑ جائیگا۔

اجتماعی نظام پر اصرار

ممکن ہے یہاں پہنچ کر کوئی یہ اعتراض کرے کہ دین ومذہب کا طریقہ کار تو یہ ہونا چاہیئے کہ وہ لوگوں کے دل وضمیر کو بیدار کرے۔ ان کے سامنے اطاعت و فرمانبرداری کی کوئی اعلیٰ مثال اور نمونہ پیش کرے اور ان کے اندر اس قدر اشتیاق پیدا کرے کہ وہ محض اجر و ثواب کے لئے از خود آگے بڑھیں اور خوشی خوشی اپنے ذمہ کی زکوٰۃ ادا کریں۔ ہاں اگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو تو عذاب الٰہی اور بُرے انجام سے باخبر کر دیا جائے۔ لیکن یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ حکومت کے کارندے محض ایک چیز یعنی زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے لوگوں کے پاس جائیں، اُن سے مطالبہ کریں، نہ دیں تو انھیں ڈرائیں، دھمکائیں، حتیٰ کہ سزا بھی دیں۔ پھر صرف ایک کام کے لئے خاص طور پر اتنے بڑے نظام اور علیحدہ محکمہ کی داغ بیل ڈالنے کی کیا ضرورت؟ جبکہ یہ جبری طریقہ ہوا۔ اور اس طریقہ پر عملدرآمد کسی دین یا مذہب کے لئے نامناسب ہے!

اس کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ یہ طریقہ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے لئے ناقابل قبول یا نامناسب ہو تو ہو، لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام کے لئے یہ کسی طرح ناموزوں نہیں ہو سکتا۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اسلام جہاں ایک عقیدہ ہے ایک نظام بھی ہے۔ اور اس کے پاس جسطرح افہام وتفہیم اور اخلاق کی قوت ہے اسی طرح قانونی اور آئینی طاقت بھی اسے حاصل ہے۔ چنانچہ روز اول سے جسطرح

اسکی بنیاد ایک آسمانی کتاب پر ہے، اس کے خمیر میں یہ بھی داخل ہے کہ ایک با اثر اور طاقت ور قوتِ نافذہ کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ طاقت اور قوت وہ بات سمجھا دیتی ہے، جو ترغیب اور تفہیم کے باوجود سمجھ میں نہیں آتی۔ پھر اسلام کا کلمہ پڑھ لینے کے بعد یہ ممکن نہیں کہ کوئی بھی کلمہ گو دو دھڑوں میں اس طرح بٹ جائے کہ اس کا ایک رخ دین کی طرف رہے اور دنیا کی طرف دوسرا۔ یا اسکی زندگی کا ایک حصہ اقتدارِ وقت کی جبہہ سائی میں گذرے اور دوسرا اس کے خدا کے در کی گدائی میں بسر ہو۔ بلکہ اسلام کا عقیدہ ہے کہ انسان اور اسکی زندگی بلکہ اسکی زندگی کا ہر ہر لمحہ صرف ذات باری کی عبادت اور تابعداری کے لئے وقف ہے اور اس کے بدن کا جوڑ جوڑ اسی کے آگے خمیدہ اور اس کے احکام کا منتظر رہے اور عقل و نقل اسے تسلیم کرتی ہے کہ کسی چیز پر اختیار چیز والے کا ہوتا ہے دوسرے کا نہیں، چنانچہ مکان میرا ہو اور رہنے سہنے کا اختیار آپ کو ہو؟ اسے کوئی سمجھدار ماننے کے لئے تیار نہ ہو گا۔ ملازم میرا ہو اور اختیار اس پر آپ کا چلے۔ یہ میرے لئے باعث شرم اور آپ کی طرف سے کھلا ظلم ہو گا۔ بالکل اسی طرح یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ جس کی تشکیل اور نفاذ باری تعالیٰ نے خود فرمائی اور اسے ایک مخصوص اجتماعی نظام کے ساتھ وابستہ کیا۔ کوئی نفس اسکی فرضیت کا اقرار کر لے لیکن اس کے مخصوص نظام کو ٹھکرا دے، اور اسطرح ایک زندہ اور متحرک فریضے کو بیحد مضمحل اور زندہ درگور کر دے، اسی متوقع اضمحلال اور مردنی کو ختم کرنے کیلئے یہ امر اشد ضروری ہے کہ زکوٰۃ کی جمع و تقسیم حکومت کا منظم ادارہ کرے، نہ کہ دل اور ضمیر کے رحم و کرم پر اسے چھوڑ دیا جائے۔

اجتماعی نظام کی حکمتیں

ذیل میں ایسی چند وجوہات پیش کی جاتی ہیں جن سے اس نظام کو سمجھنے میں تقویت ہوگی۔

۱۔ عوام کی بھاری اکثریت، مال کی محبت اور دولت کی لالچ میں گرفتار ہوتی ہے ایسی حالت میں زکوٰۃ کا حکم سُنا کر خاموش ہو جانا درحقیقت اس عظیم تر منصوبے کو خاک میں ملا دینے کے مترادف ہوگا۔ اور غریبوں کی حق تلفی ہوگی۔

۲۔ افراد کی بجائے خود حکومت جب زکوٰۃ کی تقسیم کرے گی، تو غریبوں کی خودی اور عزت نفس کی حفاظت ہوگی۔ اور کسی دینے والے کے اندر ریا کاری، یا کسی لینے والے کے اندر احساس کمتری کے جذبات پیدا نہ ہوں گے۔

۳۔ انفرادی طور پر زکوٰۃ بانٹنے کی صورت میں عین ممکن ہے کہ کوئی غریب ڈھیروں خیرات جمع کرلے۔ اور کوئی سرے سے محروم رہے۔

۴۔ عام ذہن کچھ اس قسم کا بن گیا ہے کہ زکوٰۃ بس فقیروں اور مسکینوں کیلئے ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آٹھ اصناف پر مشتمل زکوٰۃ پانے والوں کی طویل فہرست میں ان دونوں کا شمار اگر سر فہرست ہے تو ان کے بعد چھ قسم کے افراد پھر بھی لسٹ پر باقی رہ جاتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس فہرست میں شامل بعض مصارف ایسے ہیں جن کا تعین اور صحیح تشخیص صرف امت کے باصلاحیت اور بیدار مغز افراد ہی کرسکتے ہیں مثلاً امت کا یہی منتخب طبقہ یہ بتا سکتا ہے کہ خدا کی راہ میں جہاد کے لئے کس نوعیت کے سازوسامان اور آلات کی ضرورت ہے۔ یا اسلام کی صحیح نشرواشاعت کے لئے کس قسم کے مبلغین اور لٹریچر تیار کرنے چاہئیں۔

۵ــ اسلام کے اندر مسجدوں اور خانقاہوں کا جمال بھی ہے۔ اور حکومتوں اور سلطنتوں کا جلال بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے پاس جسطرح قرآن پاک کا دستور ہے، اسی طرح ایک سُلطان کا وجود بھی۔ اس کے لئے بیحد ضروری ہے اور ہر کوئی جانتا ہے کہ حکومتوں کے نظم ونسق کے لئے مالیات کا شعبہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے چنانچہ سال بہ سال زکوٰۃ سے حاصل ہونے والی خاصی بڑی رقم اس شعبے کیلئے بڑی آسانی سے مستقل سالانہ آمدنی کا باعث ہوگی۔

بیت المال

قرونِ اولیٰ کی تاریخ بتاتی ہے کہ اسلامی حکومت جس کے پیش نظر صرف اغراض ومقاصد ہی نہ تھے بلکہ غریبوں، بے روزگاروں، اپاہج اور مقروضوں کی دستگیری اور کفالت بھی روز اوّل سے اس کے پروگرام میں داخل تھی۔ لہٰذا اس نے شروع سے خلافت وامارت کا نظام قائم کرنے کے بعد بیت المال کی داغ بیل ڈالی اور اس کے ساتھ اسلامی حکومت کے پورے مالی نظام کو وابستہ کیا، فقہی کتابوں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اس نظام میں آمدنی کے حسب ذیل شعبے شامل کئے گئے ہیں۔

۱ــ زکوٰۃ، فطرہ اور عشر پر مشتمل یہ شعبہ غریب مُسلمانوں کے لئے مخصوص ہے۔ حکومت اسے اپنے عام بجٹ یا دیگر اخراجات میں شامل نہیں کرے گی بلکہ اِس کی آمدوخرچ کا مستقل ریکارڈ ہمیشہ علیحدہ رکھے گی۔

۲ــ جزیہ، خراج۔ اس ٹیکس کا نام ہے جو اسلامی مملکت میں رہنے والے غیر مسلموں سے ان کی جان ومال کی حفاظت کے عوض ہر سال وصول کیا جائے گا انھیں ذمّی کہا جاتا ہے۔ جنگی خدمات سے یہ بری ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان غیر مسلمو

کی حفاظت مسلمانوں اور اسلامی حکومت کا فریضہ ہوتی ہے۔ اس مد سے مسلمان فوجیوں کی تنخواہ اور ان کے بال بچوں کی کفالت کی جائے گی۔ اسلحے اور جنگی سامان خریدے جائیں گے۔ قلعے، پل، بند اور نہریں نکالی جائیں گی، اسی طرح قاضی، مفتی محتسب، اساتذہ اور ایسے تمام لوگوں کے روزینے دیئے جائیں گے، جو مسلمانوں کے کاموں میں مصروف ہوں۔ حضرت عمرؓ نے عراق اور اس کے اطراف میں اسی ٹیکس کو عائد کیا تھا۔

۳۔ دفینہ اور مال غنیمت۔ غریبوں کی امداد اور ان کے سماجی تحفظ کے لئے اس غیر مستقل اتفاقی آمدنی کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔

۴۔ لاوارث مال، اور گمشدہ اشیاء۔ اس قسم میں مسلمانوں کا وہ متروکہ سرمایہ شامل ہوگا، جس کا کوئی والی وارث دستیاب نہ ہوگا۔ اسی طرح وہ مال جن کے مالکوں کا پتہ نہ چل سکے۔ ایسے اموال بھی بیت المال میں شامل ہوں گے، اور گمنام یا لاوارث بچوں کی پرورش اور ایسے مسلمانوں کی تجہیز و تکفین پر خرچ ہوں گے، جن کے پاس مال وغیرہ کچھ بھی نہ ہو۔

(مبسوط ص ۱۸ ج ۲ بدائع ص ۶۸-۶۹ ج ۲)

بیت المال کا اسلامی نظام اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ عبادت کی روح اور ٹیکس کی اسپرٹ رکھنے والے زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کی بجائے انفرادی خیرات اور ہر شخص کی جدا جدا زکوٰۃ کو اسلام پسند نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے حکومت یا مسلمانوں کی نمائندہ کمیٹی کو اس کام کی نگرانی کے لئے خارجی پہریدار بنایا۔ اور خدا اور آخرت پر یقین کرنے والے دل وضمیر کو اس کیلئے اندرونی اور داخلی محافظ قرار دیا۔ چنانچہ اسی حکمت عملی کا یہ اثر ہے کہ آج بھی جہاں خلافت راشدہ کی سی

اسلامی حکومت نظر نہیں آتی وہاں غریبوں اور مسکینوں کے لئے سب سے بڑا سہارا بندۂ مومن کا یہی دل وضمیر ہوتا ہے جو اس بات سے لرز اٹھتا ہے کہ اس کا پڑوسی اگر بھوکا سو رہا ہے تو کل قیامت کے دن وہ اپنے خدا کو کیا منھ دکھائے گا۔

فقیر اور مسکین کون ؟

اس میں شک نہیں کہ حکومتوں کے لئے روپیہ فراہم کرنا آسان ہے۔ لیکن اُسے صحیح موقع اور محل پر خرچ کرنا بیحد دشوار ہے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ قرآن پاک نے شروع دن سے زکوٰۃ کے جملہ مصارف کی از خود نشاندہی کی اور اس سلسلے میں کسی کی مداخلت کو گوارہ نہ کیا۔ چنانچہ تفسیر کی کتابوں میں یہ صراحت ملتی ہے کہ زکوٰۃ اور خیرات کے روپیوں کی طرف جب منافقوں کی نظریں اٹھنے لگیں اور جب انھوں نے محض اسلئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف گیری کی، تو قرآنِ پاک نے کہا:۔

ومنهم من يلمزك في الصدقات ... اور ان میں بعض لوگ صدقات کی تقسیم میں تم پر

.... والله عليم حكيم (توبہ: ۵۸۔ ۶۰) طعن کرتے ہیں .... اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اس سلسلے کا ایک واقعہ ابوداؤدؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کی رقم طلب کی تھی آپ نے جواب میں فرمایا:۔ اس بارے میں خدا نے میرے یا کسی کے فیصلے کی بجائے اپنی طرف سے فیصلہ صادر فرمادیا ہے اور زکوٰۃ کے آٹھ مصارف تجویز کئے ہیں۔ اگر تم ان میں سے کسی ایک میں اپنے آپ کو شامل سمجھتے ہو تو مجھے دینے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

سر دست ہم زکوٰۃ کے ان مصارف میں سے پہلے دو مصرف یعنی فقراء اور مساکین کی وضاحت کریں گے۔ اس لئے کہ یہی دو افراد ہماری بحث سے خاص طور

پر متعلق ہیں۔

فقرار اور مساکین کی تعریف میں فقہار اور مفسرین کے درمیان خفیف سا اختلاف ہے۔ لیکن راجح قول یہ ہے کہ فقیر وہ ہے جو ضرورت اور حاجت کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے اور مسکین وہ ہے جو ہر کس و ناکس کے سامنے دست سوال دراز کرے۔

بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اور مسکین وہ ہے۔ جس کے پاس کچھ نہ کچھ موجود ہو۔

یہاں اس امر کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی تعلیمات کا صحیح علم نہ ہونے کی بنا پر لوگوں نے غلطی سے زکوٰۃ کا حقداران بھکاریوں اور گداگروں کو سمجھ لیا ہے جن کی لمبی لمبی قطاریں، مسجدوں، مزاروں اور بازاروں میں نظر آتی ہیں۔ عوام الناس کی اسی غلط فہمی کے ازالے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا،

لیس المسکین الذی تردہ التمرۃ والتمرتان ولا اللقمۃ واللقمتان انما المسکین الذی یتعفف اقرؤا ان شئتم لایسئلون الناس الحافاً (متفق علیہ)

ایک دو کھجوروں یا روٹی کے چند لقموں کے لئے در در کی ٹھوکریں کھانے والا فقیر نہیں، فقیر وہ ہوتا ہے۔ جو سے سے سوال نہ کرے چنانچہ تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: لایسئلون الناس الحافا۔ (بقرہ: ۲۷۳)

قرآن پاک کی مذکورہ بالا آیت اسی مفہوم کو واضح کرتی ہے کہ وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر سوال نہیں کرتے، اور نہ بلا حاجت اور ضرورت کے کسی سے کچھ مانگنے کی جسارت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بقدر ضرورت اسباب رکھتے ہوئے سوال کرنا الحاف ہے۔

اس آیت کے مصداق درحقیقت فقراء مہاجرین تھے (رضی اللہ عنہم) جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں سب کچھ تج دیا۔ اور سخت ضرورت مند اور محتاج رہتے ہوئے کبھی کسی سے کچھ طلب نہیں کیا۔ انھیں کی شان میں باری تعالیٰ فرماتا ہے

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا

(بقرہ:- ۲۷۳)

صدقات اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں اور اسی وجہ سے وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا عادتاً امکان نہیں رکھتے اور ناواقف اُن کو تونگر خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے البتہ تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو کہ فقروفاقہ سے چہرے پر اثر ضرور آجاتا ہے۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے۔

اس میں شک نہیں کہ حقیقی فقراء اور مساکین کو عوام الناس نے نظر انداز کر دیا۔ اور ان کے اوصاف کو بھی فراموش کر گئے۔ اور ان کا حق ایسوں کو دینا شروع کیا جو کسی طرح اس کے مستحق نہ تھے۔ لیکن یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی کہ آپ نے تصویر کے حقیقی رخ کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اور حق کو حقدار تک پہنچانے کی تلقین فرمائی۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان توجہ دہانیوں کو ذہن میں رکھکر ایک دردمند اور وفا شعار مسلمان اپنے شہر اور اپنے پڑوس میں اگر ان اوصاف کے حامل فقیروں اور مسکینوں کو تلاش کرے گا تو اسے نظر آئے گا کہ کتنے ایسے گھر ہیں جن کی چار دیواری میں بند رہنے والے اس حال میں صبح شام کرتے ہیں کہ فاقے سے ان کے چہرے پژمردہ اور جسم لاغر ہوتے ہیں لیکن کسی کے سامنے اپنی مصیبت کا رونا نہیں روتے۔

فقیروں کی ایک قسم

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ فقراء اور مساکین کی ضمن میں ایسے افراد بھی شامل ہوتے ہیں جن کی آمدنی کم اور ان کا خرچ حد سے بڑھا ہوتا ہے۔ حالانکہ ان کا اپنا گھر ہوتا ہے زندگی کے دن جیسے تیسے کاٹنے کے لئے گھر میں کچھ سامان مہیا ہوتا ہے یہاں تک کہ بعضوں کے پاس اتنا مال بھی میسر ہوتا ہے جو بقدر نصاب نہیں ہوتا لیکن علماء امت کے اقوال کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایسے افراد زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ دوسروں کے سامنے زکوٰۃ مانگنے کے لئے ہاتھ نہ پھیلائیں۔

ذیل میں اس مسئلے کو کسی قدر تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا ایک شخص رہائش کیلئے مکان اور خدمت کے لئے غلام رکھتا ہے، کیا وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ یہ سب ہوتے ہوئے اگر اسے احتیاج ہے تو لے سکتا ہے۔

(کتاب الاموال لابی عبید ص ۵۵۶)

حضرت امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا، اگر کوئی صاحب جائداد ہو یا کوئی ملکیت اس کے قبضے میں ہو جس کی قیمت لگ بھگ دس ہزار درہم (کم و بیش اسی ہزار روپیہ) ہو لیکن وہ اسکی گذر اوقات کے لئے ناکافی ہو تو کیا وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے؟ آپ نے اثبات میں فرمایا: ہاں وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ (المغنی ج ۲ ص ۵۲۵)

امام شافعی اور امام مالکؒ کے نزدیک اگر کسی کی آمدنی اس کے خرچ سے کہیں زیادہ ہو خواہ وہ صاحب نصاب ہو یا اس سے زیادہ کا مالک ہو، تب بھی وہ زکوٰۃ قبول کرسکتا ہے (شرح خرشی وحاشیہ عدوی علی خلیل ج ۲ ص ۲۱۵ المجموع ج ۶ ص ۱۹۲)

احناف کے نزدیک اس شخص کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے جو رہائشی مکان، ضروری اثاثہ، خدمت گذار، بدن کے کپڑے اور سواری کا مالک ہو اور اہل علم ہو تو ضروری کتابوں کا ذخیرہ گھر میں رکھتا ہو۔ ان کی دلیل حضرت حسن بصریؒ کا وہ قول ہے جس میں آپ نے فرمایا وہ لوگ زکوٰۃ کا روپیہ ایسوں کو بھی دیتے تھے جو ہزاروں روپیے کی مالیت کا رہائشی مکان، ہتھیار، نوکر چاکر، اور سواری کا جانور رکھتے تھے۔ اس روایت میں "وہ لوگ" سے مراد صحابۂ کرام تھے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام، اس قدر مالیت رکھنے والوں کو زکوٰۃ اسلئے دیدیا کرتے تھے کہ اُنکی آمدنی ان کے اخراجات کے لئے ناکافی ہوتی تھی، رہی ان کی مالیت، تو ان کا تعلق ضروریاتِ زندگی سے تھا، فاضل سرمائے سے وہ بہر صورت تہی دست ہوتے تھے

(بدایع الصنایع ج۲ ص۴۸)

مذکورہ بالا بیان اس امر کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ تہی دست اور مفلس ہی زکوٰۃ کے مستحق نہیں۔ بلکہ یہ مدّ اُن کے لئے بھی ہو گی جن کے پاس روزمرہ ضروریات کی چیزیں ہوں گی، لیکن پھر بھی ان کی آمدنی ان کے لئے ناکافی ہو گی اور کمانے کی صلاحیت سے وہ محروم ہوں گے۔

تندرست کمانے والا زکوٰۃ نہیں لے سکتا

(الف) اس بات سے ہر کوئی واقف ہے کہ زکوٰۃ مجبوروں اور بے کسوں کیلئے ہے اور فقیر اور مسکین بھی زکوٰۃ کے حقدار اسی حاجت اور عجز و درماندگی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تلخ حقیقت ہے کہ بعض سادہ لوحوں نے فقیروں اور مسکینوں کی شناخت میں غلطی کی۔ اور ان گداگروں اور بھکاریوں کو اس کا حقدار سمجھ لیا

جنھوں نے گداگری اور بھیک کو پیشہ بنالیا، اور محنت اور کام کرنے سے دست بردار ہو گئے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ زکوٰۃ کے ذریعہ گداگری اور کام نہ کرنے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور یہ کہ زکوٰۃ غریبی کا کوئی علاج نہیں ـــــ درحقیقت یہ نادان اتنا نہیں جانتے کہ ان کا انداز فکر اور طریق کار اسلامی تعلیمات سے کس قدر دور ہے !۔

چنانچہ اس کتاب کے باب سوم میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ محنت مشقت کرنا اور اپنے خون پسینے کی کمائی کھانا کس قدر افضل عمل ہے۔ اسی عمل کی فضیلت میں وہ حدیث ذکر کی گئی، جس میں آپ نے فرمایا:۔

ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدہ (بخاری) — کوئی آدمی اپنے ہاتھوں کی کمائی سے زیادہ لذیذ کھانا نہ کھایا ہوگا۔ !

نیز اسی لئے آپ نے صراحت سے فرمادیا کہ :۔

لاتحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی (ترمذی) — وہ شخص زکوٰۃ کا مستحق نہیں، جو مالدار ہو اور تندرست ہونے کی بنا پر کمانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(ب) ہاں اگر کوئی شخص تندرست اور صحیح سالم ہو، لیکن اسے کوئی روزگار میسر نہیں تو اسے زکوٰۃ دیجائے گی اسلئے کہ روزگار نہ ملے تو خواہ کوئی کتنا ہی توانا کیوں نہ ہو وہ پیٹ کے لئے روٹی، یا تن کے لئے کپڑا حاصل نہ کرسکے گا چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں۔

بیروزگار تندرست آدمی زکوٰۃ وصول کرسکتا ہے اسلئے کہ وہ بھی عاجز اور درماندہ ہے۔ (المجموع ج ۶ ص ۱۹۱)

علاوہ ازایں گذشتہ صفحات پر ایک حدیث پیش کی گئی جس میں کہا گیا کہ مال دار اور تندرست آدمی کو زکوٰۃ لینے کا حق نہیں لیکن ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غنی اور قوی کے ساتھ ساتھ ایک اور شرط بے روزگاری کی بھی ہے۔ چنانچہ عبیداللہ بن عدی کو دو آدمیوں نے یہ آپ بیتی سنائی کہ :- وہ دونوں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور زکوٰۃ کی رقم، طلب کی۔ پہلے آپ نے ہمیں اوپر سے نیچے تک دیکھا ہم دونوں تندرست اور توانا تھے آپ نے فرمایا اگر تمہاری خواہش یہی ہو تو میں زکوٰۃ دے دیتا ہوں، لیکن. خوب سمجھ لو کہ تندرست اور کمانے کی صلاحیت رکھنے والا زکوٰۃ طلب کرنے کا حقدار نہیں، (احمد، ابوداؤد، نسائی)

چونکہ یہ دونوں بظاہر تندرست تھے لیکن اندر کا حال معلوم تھا کہ کثیر العیال ہیں یا نہیں۔ اس لئے آپ نے انھیں اختیار دیا، اسی حدیث کے پیشِ نظر علماء نے کہا ہے کہ زکوٰۃ دینے والا لینے والے کو سمجھائے (نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۱۶۷)

جاننا چاہیئے کہ کمانے والا جو زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔ اس سے مراد کافی آمدنی والا ہے اس لئے کہ ناکافی آمدنی والا زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ خواہ وہ فقیر یا اپاہج نہ ہو، امام نووی نے بھی کمانے والے کی یہی تعریف کی ہے (المجموع جلد ۶ صفحہ ۱۹۰)۔ اس سب کا مقصد دراصل یہ بتانا ہے کہ اسلام بیکاری یا گداگری کو رواج نہیں دیتا۔ وہ صاف اعلان کرتا ہے کہ ہر کوئی جسے خدا نے تندرستی اور کمانے کی صلاحیت دی ہے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کیلئے محنت مشقت اور کام کاج کرے اور یہ سمجھ لے کہ دوسروں کی روٹی توڑنے سے بہتر یہ ہے کہ اپنی کمائی سے خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے۔ ہاں اگر کوئی اس لائق نہ ہو کہ محنت کر سکے۔ یا وہ محنت کرتا ہو لیکن اس کے اہل وعیال کا حد سے بڑھا ہوا خرچ اس کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے تو ایسے شخص کو بلا جھجک بقدرِ ضرورت زکوٰۃ

لینی چاہئے لیکن جب وہ زکوٰۃ سے بے نیازی کی حد کو پہونچ جائے تو اس کے لئے ضروری اور مناسب ہو گا کہ جلد سے جلد اس ننگ اور عار سے خود کو بچالے اور اس زمرہ سے نکلنے کی فکر کرے اور اگر زکوٰۃ لئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، تو پورے سکون قلب کے ساتھ زکوٰۃ کی رقم کو استعمال کرتا رہے۔ اس لئے کہ یہ خدا کی طرف سے اسکی پرورش اور کفالت کا قدرتی نظم ہے۔ اس کی شان کریمی کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ تندرست پرندوں کے ذریعے اپاہج پرندوں کو روزی پہنچاتا ہے۔ پھر وہ تو انسان ہے اس کا درجہ بے زباں جانوروں سے گھٹا ہوا کب ہو سکتا ہے؟۔

اسلامی تعلیمات کے ماہرین کی یہ رائے بھی مبنی بر حقیقت ہے کہ تندرست اور باصلاحیت آدمی اگر خدا کی عبادت کے لئے یکسو ہونا چاہے اور کام کاج کی بجائے زکوٰۃ اور خیرات پر گذارہ کرنے لگے تو اسے کچھ نہ دیا جائے گا۔ (حاشیہ روض صفحہ ۱۴۶ ج ۲) اس لئے کہ اس رہبانیت اور جوگی پن کے لئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ سچی عبادت حلال روزی کی تلاش کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہاں علوم وفنون کی تحصیل کے لئے یکسو ہونے والے طلبہ جو بیک وقت کمانے اور پڑھنے کا کام نہیں کر سکتے۔ زکوٰۃ کے مستحق بن سکتے ہیں اور یہ استحقاق انھیں اسلئے حاصل ہو گا کہ وہ فرض کفایہ ادا کرتے ہیں۔ دوسرے ان کے علم سے آگے چل کر ان کی ذات اور پوری قوم کو نفع پہنچے گا۔ (غایۃ المنتہیٰ صفحہ ۱۳۷ ج ۲)

اس موقع پر زکوٰۃ نکالنے والوں کے لئے بعض علماء دین کی یہ وضاحت یقیناً سودمند ہو گی۔ کہ زکوٰۃ ایسے طلباء کو دینی چاہیئے جو ممتاز صلاحیتوں کے مالک ہوں جو ملک وملت کے سچے اور بے لوث خدمت گذار بننے کا جذبہ دل میں رکھتے ہوں، اور جو دورانِ تعلیم کام نہ کر سکتے ہوں۔ (المجموع صفحہ ۱۹۰-۱۹۱ ج ۶)۔ ورنہ انھیں زکوٰۃ نہ ملے گی۔ یہ امر انتہائی قابل قدر بھی ہے اور بیحد اہم بھی، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی

ترقی یافتہ حکومتیں اعلیٰ تعلیم کے لئے ہونہار اور ممتاز طلباء کو منتخب کرتی ہیں اور اپنے خرچ سے انھیں اندرون اور بیرون ملک بھیجتی ہیں۔

دائمی علاج

مصارف زکوٰۃ کی وضاحت کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ غریبوں اور مسکینوں میں فی کس کس قدر زکوٰۃ کی ادائیگی مفید ہوگی؟ یہ وضاحت اسلئے اہمیت کی حامل ہے کہ عام طور پر دیکھا جا رہا ہے کہ کل تک جو زکوٰۃ لیتے تھے، وہ آج بھی زکوٰۃ لیتے ہیں اور اپنے آپ کو غریب کہتے ہیں اور صورتحال کی اس نزاکت کا سہارا لے کر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ زکوٰۃ بھی وقتی علاج ہوا جس سے درد گھڑی بھر کے لئے رفع ہوا لیکن اصل بیماری ہنوز برقرار رہی آئندہ سطروں میں فکر و نظر کی اسی خرابی کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

تمہید کے طور پر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ غریب دو قسم کے ہوتے ہیں، پہلی قسم ان غریبوں کی ہے جو غریب ہونے کے ساتھ کسی جسمانی یا ذہنی بیماری میں مبتلا ہو کر اپاہج اور معذور ہو جاتے ہیں یا معمر ہونے کی وجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے، ایسوں کی غریبی لاعلاج ہے اور متبادل امداد فراہم ہونے تک ان کے لئے تاحیات زکوٰۃ کی فراہمی کے سوا کوئی دوسرا سہارا نہیں ہے۔ لہٰذا اس قسم کے غریب و مسکین کی گذر بسر اگر صرف زکوٰۃ پر ہو تو اس میں چنداں حیرت بھی نہیں کرنی چاہئے۔

اب رہی دوسری قسم تو اسمیں وہ غریب شامل ہیں جو اگرچہ تہی دست اور مفلس ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت یہ اس لائق بھی ہوتے ہیں کہ ہاتھ اور پیروں کو حرکت دیں اور کچھ سہارا پا کر مزید سہارا از خود پیدا کر لیں۔ اسمیں شک نہیں کہ اس دوسری قسم کی غریبی کا علاج نہیں۔ بلکہ زکوٰۃ

کے ذریعہ انھیں ایک بار وہ سہارا مل سکتا ہے جس سے یہ آئندہ زکوٰۃ لینے کی بجائے دینے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرسکتے ہیں۔ اور پھر خدانے چاہا تو یہ شبہ اپنے آپ فنا ہوجائے گا کہ زکوٰۃ سے غریبی کا ازالہ ہوتا ہے یا اس میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

اس مقصد کے لئے زکوٰۃ کی تقسیم کا ایک طریقہ جو اسلامی اسپرٹ سے زیادہ قریب ہے یہ ہے کہ امداد اس طرح کیجائے کہ غریبوں کی جملہ ضروریات کی تکمیل ہوجائے اور ان کا احتیاج سدا کے لئے ختم ہوجائے۔ تاکہ دوبارہ زکوٰۃ لینے کی محتاجی بھی نہ رہے

امام نوویؒ لکھتے ہیں۔

"علماء عراق اور علماء خراسان کا اس پر اتفاق ہے کہ فقیروں کو اس قدر دیا جائے جس سے ان کا فقر زائل ہو، اور بے نیازی انھیں حاصل ہو۔ امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے ان کی دلیل قبیصہ بن مخارق ہلالی کی وہ روایت ہے جس میں آپ نے فرمایا۔

"صرف تین قسم کے آدمیوں کو سوال کرنے کی اجازت ہے (۱) وہ شخص جو قرض میں گرفتار ہو اسے اس حد تک مانگنے کی گنجائش ہے جس سے اسکی ضرورت پوری ہوجائے۔ (۲) وہ شخص جسے فاقے کی نوبت آجائے اور پاس پڑوس والے بھی اس کا اعتراف کریں (راوی نے تیسرے شخص کو بیان نہیں کیا)

لیکن ان کے علاوہ کسی شخص کو مانگنا جائز نہیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی مانگتا ہے تو قبیصہ۔ یوں سمجھو کہ وہ زنا کی کمائی کھا رہا ہے۔" (مسلم)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس حد تک سوال درست ہے جس سے احتیاج اور ضرورت رفع ہوسکے۔"

اس امر کی صراحت یقیناً دشوار ہے کہ جو غریب کسی صنعت یا ہنر کے مالک ہیں

لیکن سرمائے کی کمی، یا مناسب اوزار یا مشینوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے بیکاری یا پھر مفلسی کا شکار ہوں، انھیں زکوٰۃ کی کس قدر مقدار دینی چاہئے یہ اس لئے کہ موقعہ اور زمانے کے لحاظ سے ان میں کافی فرق ہوتا ہے۔ پھر بھی ذیل میں ایک ایسا تخمینہ پیش کیا جارہا ہے جس سے کسی حد تک رہنمائی مل سکتی ہے۔

۱۔ پھیری کرنے والوں مختلف چھوٹا موٹا دھندا کرنے والوں، علیٰ ہذا سبزی ترکاری بیچنے والوں کو ۳۵ تا ۷۰ روپیوں تک دیا جائے گا۔ (بقول مصنف: ۵۔تا۔۱۰ درہم)

۲۔ اوسط درجے کے تاجر، چھوٹا موٹا ہوٹل چلانے والوں اور عطر بیچنے والوں کو بقدر ضرورت سیکڑوں روپیوں تک دیا جائے گا۔ درزی کو اتنا دیا جائے گا جس سے وہ سلائی کے لئے مشین خرید لے، بڑھئی اور دوسرے دستکاری کرنے والوں کو بھی اتنا سرمایہ دیا جائے، جس سے وہ اپنے لئے کارآمد اوزار اور کل پرزے خریدلیں۔

۳۔ سونے چاندی کے زیورات بنانے والے کھیتی باڑی جاننے والے حتیٰ کہ قیمتی پتھروں کی تجارت سے باخبر افراد کو اگر سیکڑوں کی امداد ناکافی ہو تو ہزاروں سے اُنکی مدد کیجائے گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ از کار رفتہ اور بوڑھوں کے لئے مستقل امداد کی بہترین شکل یہ نکالی جاسکتی ہے کہ ان کے لئے کوئی ایسی مناسب چیز ایک بار خرید لی جائے جس کے ماہانہ یا ہفتہ واری کرائے سے تاحیات ان کی گذر بسر ہوسکے۔ (المھذب ج ۶ ص ۱۹۴۔۱۹۵)

یہ مسلک امام شافعی رح کا ہے۔ امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے (الانصاف ج ۳ ص ۲۳۸)

یہ ہم نہیں کہتے ائمہ دین کہتے ہیں، ان اقوال کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ غریبی کو ہٹانے کے لئے اسلام کس قدر کوشاں ہے اور اس کی پیش کردہ ہر تجویز اس کے مرض کے ازالے کے لئے کس قدر موثر اور زود اثر ہے۔

زکوٰۃ وہ اسطرح دیتے تھے

دائمی علاج کے تحت ہم نے جو کچھ تحریر کیا ہے یہ حقیقت ہے کہ اسلامی تاریخ اس سلسلے میں ہماری واضح رہنمائی کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت، آپ کے اس جملے کی بھرپور عکاسی کرتا ہے کہ غریبوں کو اتنا دو کہ وہ بے نیاز ہو جائیں۔ (الاموال ص۵۶۵) غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ روٹی کے چند لقموں یا کچھ سکوں کو امداد کے لئے قطعی ناکافی سمجھتے تھے۔ مزید تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ ایک شخص نے آپ کے پاس آکر اپنی تہیدستی کا شکوہ کیا، آپ نے اُسے تین اونٹنی مرحمت فرمائی۔ اس گراں قدر امداد کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ کہ امداد لینے والا بے نیاز ہو جائے، اور پھر سے زکوٰۃ لینے کے لئے رُخ نہ کرے۔ آپ نے اپنے تحصیلداروں اور زکوٰۃ بانٹنے والوں کو تاکید فرمائی تھی کہ ضرورتمند جتنی مرتبہ زکوٰۃ لینے آئیں انھیں دو۔ خواہ ہر ایک کو سو اونٹ تک کیوں نہ دینا پڑے۔

غریبوں کے بارے میں اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے ایک موقع پر فرمایا بار بار زکوٰۃ دینے سے میں نہیں رکتا۔ خواہ مجھے ایک شخص کو سو اونٹ کیوں نہ دینا پڑے۔ (الاموال ص۵۶۵)

حضرت عطاء، تابعیؒ زبردست فقیہ تھے۔ فرماتے تھے۔ میں یہ زیادہ پسند کرتا ہوں کہ آدمی کسی کو اتنی زکوٰۃ دیدے۔ جو اس کے لئے کافی ہو جائے۔ اسلامی اقتصادیات کی فقید المثال شخصیت، ابو عبید نے اپنی کتاب "الاموال" میں اس موقف کی پرزور تائید کی ہے۔ (ص۵۶۶)

● ـــــ لیکن اگر اسلامی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو اس سلسلے میں ہمیں ایک

اور موقف نظر آئے گا جسے امام مالکؒ، امام احمد بن حنبل اور دوسرے علماء اسلام نے پسند کیا ہے، وہ یہ ہے کہ غریبوں کو عمر بھر کی بجائے صرف سال بھر کے لئے کافی رقم دیدینی چاہیئے اور کوشش اس بات کی کرنی چاہیئے کہ اس میں کمی نہ آئے۔ اس موقف کی تائید صحیحین کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں کے لئے بھی سال بھر کی ضروریات بھی مہیا فرمائی تھیں۔ علاوہ ازیں زکوٰۃ ہر سال واجب ہوتی ہے اور ادا بھی کی جاتی ہے، لہٰذا عمر بھر کے لئے یا سال بھر سے کم کیلئے امداد کرنے سے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ پورے سال کے لئے امداد کی جائے ممکن ہے مذکورہ بالا دونوں موقف کو پڑھ کر کوئی یہ شبہ کرے کہ اس صورت میں زکوٰۃ لینے والا غریب نہ رہے گا۔ بلکہ مالدار ہو جائے گا، اور زکوٰۃ غریبوں کے لئے ہے مالداروں کے لئے نہیں ہے۔

اس کا آسان جواب یہی ہے کہ غور کریں تو معلوم ہو کہ لینے کے وقت وہ غریب تھا لہٰذا مستحق ہوا۔ دوسرے اسے مالدار کیوں کر کہا جائے گا جب کہ اسکی سابقہ اور حالیہ ضرورتیں دم کی دم میں اس کی کل جمع پونجی کو ختم کر دیں گی۔ اور وہ بدستور ہاتھ خالی ہو جائے گا۔ (شرح خرشی علی متن خلیل ص ۲۱۵ ج ۲)

● پھر اسے ہماری کوتاہ نظری سمجھنی چاہیئے کہ ہم نے صرف کھانے اور کپڑے کو زندگی کی ضرورت سمجھا اور زندگی کی سب سے اہم ضرورت یعنی ازدواج اور شادی بیاہ کو نظر انداز کر دیا۔ جس کے سامنے جملہ ضروریات ہیچ اور فروتر ہیں۔ یہ اس لئے کہ جنت ارضی کی ساری رونق اور ویران دنیا کی تمام آبادکاری کا دار و مدار اسی ایک عمل پر ہے۔ اور کوئی مرد یا عورت خود کو اس فطری جذبے سے علیحدہ نہیں کر سکتا ہے۔ پھر اسلام جو دین فطرت کا علمبردار ہے اس فطری جذبے کا گلہ کیونکر گھونٹ سکتا ہے یہی وجہ

ہے کہ اسلام ازدواجی ضرورت کو اہمیت دیتا ہے۔ اور غربت یا تنگدستی کے سبب ازدواجی سہولت فراہم نہ ہونے کی صورت میں اس فطری خواہش کو غیر فطری ذرائع سے دبانے یا کچلنے کی اجازت نہ دیتے ہوئے اس کیلئے زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنے کی، پوری اجازت دیتا ہے۔ (حاشیہ مطالب اولی النہی صـ ۱۴۷ جـ ۲)

ابو عبید اس کے راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عاصم کا نکاح کیا، اور ایک ماہ تک اسی مد سے ان کی کفالت کا نظم کیا۔ (الاموال صـ ۲۳۲)

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے منادی کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ وہ ہر روز گلی کوچوں میں آواز لگائے، کوئی غریب ہے! کوئی یتیم یا مقروض ہے، کوئی ہے جسے شادی کیلئے روپیہ چاہیئے۔ اس طرح آپ نے سب کو بے نیاز کر دیا۔

(البدایہ صفحہ ۲۰۰ جـ ۹)

اس مضمون کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا۔

ایک شخص خدمت اقدسؐ میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کیا ہے۔ (میں اس کی مہر ادا کرنا چاہتا ہوں) آپ نے فرمایا مہر کیا ہے؟ انصاری نے جواب دیا۔ چار اوقیہ (تقریباً ساڑھے دس تولہ چاندی) آپ نے فرمایا چار اوقیہ! (اس قدر گراں مہر) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہاں کوئی چاندی کا پہاڑ ہے جس میں سے چاندی تراش کر تمہارے حوالے کر دی جائے (جاؤ) اس وقت ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ البتہ ہم تمہیں ایک جگہ بھیجیں گے۔ تمہاری مطلوبہ شئے وہاں تمہیں مل سکتی ہے۔

(نیل الاوطار صـ ۳۱۶ جـ ۶)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شادی بیاہ کیلئے اس قسم کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ اسی لئے صحابی آپ کے پاس آئے۔ پھر آپ نے انھیں یکسر محروم نہیں کیا۔ بلکہ ایسا جواب مرحمت فرمایا جس سے ان کی ڈھارس بندھی۔

• اسلام علم و دانش کی قدر کرتا ہے۔ اور اہل علم اور دانشوروں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اسلام کی نظر میں علم و آگہی۔ ایمان و عمل کا سرچشمہ ہے۔ جس کے بغیر نہ ایمان میں استقامت آتی ہے نہ عبادت میں لذت ملتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

هل يستوى الذين يعلمون — بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے
والذين لايعلمون (زمر: ۹) — دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

جاہلوں کے مقابلہ میں اہل علم کی برتری ثابت کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

ومايستوى الاعمٰى والبصير — اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتے،
ولا الظلمات ولا النور (فاطر ۱۹-۲۰) — اور نہ تاریکی اور روشنی،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

طلب العلم فريضة على كل مسلم — علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے (سیوطی)

یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام نے محض عبادت کیلئے یکسو ہونے والوں کو زکوٰۃ کا مستحق نہیں گردانا لیکن حصول علم کیلئے یکسو ہونیوالوں کو زکوٰۃ دینے کی سفارش کی۔ اس کی علت یہی ہے کہ اسلام کی نظر میں تحصیل علم اور اس کے اندر امتیاز پیدا کرنے کیلئے جس قدر فراغت اور یکسوئی ضروری ہے عبادت کیلئے اتنی ضروری نہیں نیز اسلئے کہ عابد اپنی کشتی کو پار لگانے کی فکر میں ہوتا ہے۔ جبکہ باعمل عالم اپنے علم سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ بناء بریں فقہاء اسلام کا فیصلہ ہے کہ مد زکوٰۃ سے دینی اور دنیاوی اہمیت کی حامل کتابیں اہل علم کے لئے خرید کرنا جائز ہے۔ (الانصاف فی الفقہ الحنبلی ص ۱۶۵-۲۱۸)

زکوٰۃ کیسے دی جائے؟

"زکوٰۃ وہ اسطرح دیتے تھے" اس عنوان کے تحت فقہاء کے دو نظریے گذشتہ صفحات پر ذکر کئے گئے۔

۱۔ غریبوں کو اتنا دیا جائے کہ تاعمر انھیں سوال کرنے کی حاجت نہ رہے۔

۲۔ یا اتنا دیا جائے کہ کم از کم سال بھر کے لئے انھیں کافی ہو۔

دیکھنا چاہیئے کہ ہر دو طریقوں میں کون سا طریقہ قابل عمل ہے۔ خصوصًا آج کے دور میں جب کہ ان پر عمل درآمد کے فیصلہ پر کوئی بھی اسلامی مملکت غور کر سکتی ہے۔ بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ ہر نظریہ اپنی جگہ معقول اور مناسب عمل کا میدان رکھتا ہے۔ اس لئے کہ عام طور پر غریبوں کی بھی دو قسم ہے۔

● کچھ غریب، صنعت وحرفت، تجارت وزراعت، یا کسی اور ہنر سے واقف ہوتے ہیں لیکن ضروری سامان جیسے اوزار، سرمایہ کاشتکاری کے وسائل اور دیگر ذرائع ان کے پاس بالکل نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے، ان افراد کو اگر ان کے متعلقہ وسائل زکوٰۃ کی مد سے ایک مرتبہ حاصل ہو جائیں تو نہ صرف یہ کہ ان کے تمام دکھ درد کا مداوا ہوتا ہے۔ بلکہ تاعمر دوبارہ زکوٰۃ لینے کی انھیں قطعی حاجت نہ ہوگی۔ آج کے دور میں عالم اسلام مدِ زکوٰۃ سے ایسے بڑے بڑے کارخانے کھول کر بآسانی اس منصوبے پر عمل کر سکتا ہے۔ جہاں مختلف سامان یا اوزار تیار کئے جائیں، اور ہنرمند گر غریب افراد میں مفت تقسیم کئے جائیں۔

● لیکن ان کے برعکس غریبوں کی بڑی تعداد اپاہج، نابینا، عمر رسیدہ، بیوہ، یا کم عمر

بچوں پر مشتمل ہوتی ہے جو قطعی ناکارہ ہوتے ہیں۔ ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ سال بھر کے لئے کافی رقم ان کے حوالے کر دی جائے یا اگر فضول خرچی یا لاپرواہی کا اندیشہ ہو تو ماہانہ یا ہر ہفتہ ان کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کر دیا جائے جس سے ان کی گذر بسر ہو سکے۔

موجودہ زمانے میں خاص طور پر اس طریقہ سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔
یہ تقسیم میری اپنی دانست کا نتیجہ تھی لیکن حیرت اور خوشی اس وقت ہوئی جب میں نے حنابلہ کی بعض کتابوں میں بڑی صراحت کے ساتھ اسی تقسیم کو درج پایا۔
چنانچہ غایۃ المنتہی اور اسکی شرح میں امام احمد بن حنبلؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

جس شخص کے ہزاروں کی جائداد ہو، لیکن خرچ اس سے زیادہ اور آمدنی کم ہو تو اسے بقدر ضرورت زکوٰۃ لینے میں مضائقہ نہیں ایسے افراد کے لئے امداد کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ صنعت کار یا ہنرمند ہو تو ان کے لئے ضروری اوزار اور مناسب وسائل مہیا کر دیئے جائیں تاجر ہوں تو معقول سرمائے کا بندوبست کیا جائے، لیکن اگر کوئی مفلس یا اپاہج ہو تو ایسوں کو ہر سال امداد دینی ہوگی، اسلئے کہ زکوٰۃ بھی آخر سال بسال واجب ہوا کرتی ہے۔

(مطالب اولی النہی ج۲ ص۱۳۶)

★ — اوپر کی سطروں سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ اس کا نام نہیں کہ فقیروں کے ہاتھوں پر چند سکے رکھ دیئے جائیں بلکہ زکوٰۃ دینے کا منشا یہ ہے کہ لینے والا امداد پا کر خود کفیل بن جائے اور معیاری زندگی بسر کرنے کے لائق ہو جائے۔ چنانچہ انصاف اور خیریت کا تقاضہ ہے کہ ہر آدمی کو مع اہل و عیال دو وقت کی روٹی نصیب ہو۔ تن ڈھانکنے کے لئے لباس

اور سر چھپانے کیلئے مناسب مکان اس کے پاس مہیا ہو، علامہ ابن حزمؒ نے (المحلی) میں اور امام نوویؒ نے اپنی کتاب (المجموع) میں اور بیشتر دوسرے علماء نے اپنے طور پر اس ۔ ۔ ۔ ۔ کی تائید کی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں، ہر شخص کے حسب حال مناسب معیار زندگی ـــ جسکے بغیر آدمی فقیروں کے زمرے میں شامل ہوتا ہے، چہ جائیکہ مسکین جو فقیر سے قدرے بہتر ہوتا ہے ـــ یہ کہ اسکے اور اسکے اہل و عیال کے لئے میانہ روی کے ساتھ خورد و نوش، لباس اور جملہ لوازم کیساتھ رہائش کے لئے مکان مہیا ہو، (المجموع صـ ۱۹۱/۶)

فی زمانہ بچوں کے لئے دینی و عصری تعلیم بھی اشد ضروری ہے، تاکہ آئندہ نسلیں جہالت کی تاریکی سے دور پاکیزہ اور باوقار زندگی گذار سکیں، اور دین دنیا کے تقاضوں سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہو سکیں،

اسمیں شک نہیں کہ فقہا نے مسلمانوں کی بنیادی ضرورتوں کے تحت جہاں علوم و فنون کی تحصیل کا ذکر کیا ہے، وہیں مناسب دوا اور معقول علاج کی ضرورت کا بھی احساس دلایا ہے، اس لئے کہ مریض کو بیماری کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا انسانیت نہیں، کھلی ہوئی مردم کشی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، لوگو! علاج میں کوتاہی نہ کرو، اس لئے کہ جس نے مرض پیدا کیا۔ اس نے اس کی دوا بھی پیدا کی ہے۔ (بخاری) ـــ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

ولا تلقوا بایدیکم إلی التھلکة — اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو

(بقرہ: ۹۵)

ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما — اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے حال پر مہربان ہے۔ (نساء: ۲۹)

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، نہ اس پر زیادتی کرتا ہے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے"۔ مصیبت یا بیماری میں کسی کی مدد نہ کرنا،

بد ترین اخلاقی جرم ہے ۔ چونکہ ملکوں اور قوموں کا مزاج اور زمانے کے حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے ۔ اس لئے غریبوں کیلئے امداد کی ایسی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی جو ہر زمانے اور ہر ملک کیلئے یکساں قابل قبول ہو ۔ بنا بریں گذشتہ صفحات پر جو اعداد و شمار پیش کئے گئے ، ان کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ معاشرہ پوری طرح بیدار رہے ۔ اور دیگر مسائل کیطرح زکوٰۃ کی ادائیگی میں کسی جمود یا غفلت کا شکار نہ رہے ۔

زکوٰۃ کے اثرات

غریبوں کی ہر ممکنہ امداد اور ان کی سیکڑوں ضرورتوں میں زکوٰۃ کا معقول استعمال فکر و نظر کو یہ احساس دلاتا ہے کہ غریبوں کے لئے زکوٰۃ وہ سالانہ اور مستقل امداد ہے جسے پاکر فقیر اور مسکین ، بھوک اور افلاس کی سرحدوں کو عبور کر سکتے ہیں ۔ اپاہج اور بے نوا آلام و مصائب کے مہیب غاروں سے نکل کر سکھ اور چین کی پرسکون وادی میں قدم رکھ سکتے ہیں ۔ اور اسی کے سہارے بے روزگار اپنی بیکاری کے دنوں کو خیر باد کہہ سکتے ہیں

انسانی ضمیر کو اس لمحہ سے زیادہ فرحت اور مسرت کب حاصل ہو گی ؟ جس لمحہ پیار و محبت کے ہاتھوں مالی امداد پاکر کسی خانہ خراب کا گھر آباد اور کسی کا ٹوٹا ہوا دل باغ باغ ہو جاتا ہے ۔

آئیے مصیبت کے مارے کسی ایسے فرد بشر کے ساتھ ہم بھی کچھ دور چلیں جسکے قدم غربت اور افلاس کی تاریکی سے نکل کر فراخ دستی اور فارغ البالی کی طرف بڑھ رہے ہوں ۔ تاکہ محبت کا یہ لمحہ ہم بھی دیکھ سکیں ۔

یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں ۔ اسلام کے مایہ ناز فرزند اور ایک عظیم مملکت کے خلیفہ دوم ،

——— تیز دھوپ اور ٹھیک دوپہر کا وقت ہے۔ لیکن ایک درخت کے سائے میں فرشِ خاک پر لیٹے ہوئے ہیں۔ دور سے آنے والی دیہات کی ایک سیدھی سادی عورت قریب پہونچکر خود حضرت عمر سے حضرت عمر کا پتہ پوچھ رہی ہے۔ اور پھر روانی میں کہنا شروع کرتی ہے میں بال بچوں والی غریب دیہاتی عورت ہوں، امیرالمومنین نے محمد بن مسلمہ کو زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کے لئے ہمارے علاقے میں بھیجا تھا، وہ آئے بھی، مگر افسوس انھوں نے ہمیں کچھ نہ دیا۔ خدا آپ کا بھلا کرے میری آپ سے بس اتنی گذارش ہے کہ اُن کے سامنے ہماری سفارش کردیں، حضرت عمرؓ اپنے غلام یرفا سے محمد بن مسلمہ کو حاضر ہونے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ عورت سہم جاتی ہے، کہتی ہے انھیں بلانے کی بجائے کسی سے کہلوادیں۔ یا خود میرے ساتھ بنفس نفیس چلنے کی زحمت فرمائیں، اس طرح شاید میرا کام بن جائے، گویا اسے ڈر ہے کہ کہاں ایک تحصیلدار اور کہاں ایک دیہاتی عورت؟ اتنے بڑے مرتبے کا آدمی کب کسی کو خاطر میں لاسکتا ہے! لیکن اب تک عورت کو یہ علم نہ تھا کہ یہی حضرت عمرؓ ہیں، حضرت عمرؓ اسے تسلی دیتے ہیں' اتنے میں محمد بن مسلمہ آجاتے ہیں اور امیرالمؤمنین، السلام علیکم کہہ کر ایک طرف زمین پر بیٹھ جاتے ہیں تب کہیں عورت کو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر یہی ہیں۔ حضرت عمرؓ بڑے دردبھرے لہجے میں کہنا شروع کرتے ہیں:-

"محمد! خدا گواہ ہے، میں نے تمھارے بارے میں پورا پورا اطمینان کرلینے کے بعد اس منصب کو تمھارے حوالے کیا تھا مگر افسوس! نتیجہ برعکس نکلا، بھلا بتاؤ

کل جب خدا اس عورت کے بارے میں پوچھے گا تو تم یا میں کیا جواب دیں گے

محمدؓ آبدیدہ ہوتے ہیں، آپ فرماتے ہیں، خدا نے اپنے نبی کو، اور نبی نے خلیفۂ اول ابوبکر صدیق کو

یہ ذمہ داری سونپی۔ اور اب یہ ذمہ داری میرے سر آئی۔ میں نے تمہیں کچھ سوچ کر اس مقام پر فائز کیا۔ یاد رکھو! آئندہ اگر تم اس منصب پر رہے، اور تمہارا گذر اس عورت پر ہو تو اسے سال بھر کے لئے خرچ دینے کے ساتھ گذشتہ سال کا خرچ بھی ضرور دینا۔ لیکن ٹھہرو، نہ جانے تمہارا گذر کب ہو! ۔ پھر آپ نے ایک اونٹنی، کچھ آٹا، اور روغن منگوا کر اسے مرحمت فرمایا اور کہا کسی قافلے کے ساتھ خیبر چلی جاؤ، جہاں تمہارا گھر ہے۔ ایک ضرورت کے تحت میں بھی خیبر آرہا ہوں ـــــ اگلے روز جب آپ وہاں پہنچے تو آپ نے اسے مزید دو اونٹنی عطا فرمائی اور روزمرہ کی ضرورتوں کے لئے اور بھی کچھ سامان اسے دیا۔ (الاموال ص۵۹۹)

ہمیں دیکھنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی کا یہ ایک واقعہ ہماری کس طرح رہنمائی کرتا ہے۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ مسلمان حکمرانوں کو رعایا کے دکھ درد کا احساس کس قدر بے چین کر دیتا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غریب طبقہ کو معاشی بحران سے نجات دلانے کی اگر کوئی گیارنٹی یا ضمانت دی جاسکتی ہے۔ تو اس میں شک نہیں کہ وہ صرف زکوٰۃ کے ذریعہ دی جاسکتی ہے۔ اسلئے کہ یہی وہ مستقل امداد ہے جس کے بروقت نہ ملنے پر غریبوں کو حاکم وقت کے سامنے فریاد کرنے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ زکوٰۃ اتنی دینی چاہئے جو لینے والے کو آسودہ اور بے نیاز کر دے۔ اور یہ حضرت عمر کی ذاتی اختراع نہیں تھی، آپ کو یقین تھا کہ یہ طرز عمل ان کے حبیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیش رو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پسندیدہ طریقہ تھا۔

زکوٰۃ اور ٹیکس

زکوٰۃ کی فراہمی اور اس کی تقسیم کا اسلامی نظام، عدل و مساوات حکمت عملی اور مآل اندیشی کا بے نظیر مرقع ہے۔ جس کے دسویں حصے تک رسائی کسی جدید سے جدید معاشی نظام کے لئے بعید از قیاس ہے۔ لیکن کس قدر ستم ظریفی ہے کہ موجودہ زمانے کے کسی معاشی فلسفے کو محض اسلئے مرعوبیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ اس پر یورپ کی چھاپ لگی ہوتی ہے۔ جب کہ اسکی تہہ میں خرابی اور ناکامی کے سیاہ داغ پڑے ہوتے ہیں۔

ٹیکس کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جو زکوٰۃ کے مقابل ایک نظام ہے جس کی داغ بیل یورپ میں پڑی، تاریخ شاہد ہے کہ اقوام عالم اور قدیم یورپ میں عرصے سے اس کا رواج رہا لیکن زکوٰۃ اور ٹیکس کے درمیان جو فرق ہے، اور کون سا نظام، عوام کے جذبات کو اپیل کرنے کی کہاں تک اہلیت رکھتا ہے... ایک سرسری جائزے سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ زکوٰۃ کی خصوصیات میں سب سے نمایاں اور پر اثر خصوصیت ایمان اور احتساب کا وہ جذبہ ہے جس سے موجودہ حکومت کے ظالمانہ یا عادلانہ سبھی ٹیکس پورے طور پر محروم ہیں۔ بلکہ زکوٰۃ کے برعکس ان میں ناراضگی گرانی اور بددلی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ٹیکس دینے والا یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ یہ ٹیکس خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے اور اس پر اسے اجر ملے گا۔ بلکہ وہ یہ جانتا ہے کہ یہ ٹیکس لگانے والے اسی کے جیسے انسان ہیں اور شاید اس سے بھی زیادہ نیچ اور ہیچ ہیں پھر اس سے حاصل شدہ آمدنی زیادہ تر رنگ رلیوں پر اپنے اقتدار کے محفوظ رکھنے پر یا چند

اشخاص اور مخصوص پارٹیوں کے مفاد پر خرچ ہوتی ہے۔ مزید برآں ان ٹیکسوں کے ساتھ افہام وتفہیم کی قوت کی بجائے جرمانے کی دھمکیاں، سزائیں اور خشک وسخت قوانین ہوتے ہیں جن سے عوام میں ناراضگی اور بے چینی بڑھتی جاتی ہے۔

۲۔ زکوٰۃ اور ٹیکس کے درمیان دوسرا نمایاں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ دولتمندوں سے لیکر وہیں کے غریبوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے لیکن اس کے بالمقابل شخصی یا عوامی حکومتوں کے ٹیکسوں کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ ٹیکس زیادہ تر متوسط طبقے اور غریبوں سے زیادہ وصول کئے جاتے ہیں اور مالداروں اور کھاتے پیتے لوگوں کیطرف لوٹا دیے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہر کوئی دیکھ سکتا ہے کہ یہ دولت جو کسانوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی اور مزدوروں، کاریگروں اور تاجروں پر لگائے گئے ٹیکس سے حاصل ہوتی ہے انتہائی بے دردی اور بے رحمی کے ساتھ گورنروں، وزیروں، اور ان کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ پر لٹا دی جاتی ہے اس سے جو باقی بچتا ہے وہ راجدھانیوں کی نوک پلک سنوارنے، سڑکوں کو کشادہ کرنے، ٹاؤن اور پارکوں کو بنوانے پر خرچ کیا جاتا ہے۔ تاکہ راج سنگھاسن پر بیٹھنے والوں، ان کے درباری خوشامدیوں اور مزدوں اور غریبوں کا استحصال کرکے مالدار بننے والوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ لیکن دوسری طرف اس عیش وعشرت سے کوسوں دور گندی بستیوں اور بوسیدہ جھونپڑیوں میں وہی محنت کش مزدور موت وحیات کی کش مکش میں گرفتار ہوتے ہیں، جن کے نحیف وناتواں کاندھوں پر بھاری بھاری ٹیکس لاد کر عیش وعشرت کے ان محلوں کی تعمیر ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے موجودہ ٹیکسوں کی اس سے زیادہ بہتر تعریف اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ ٹیکس غریبوں سے لیکر امیروں کو دیدیا جاتا ہے۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ زکوٰۃ کی روح خدا کا خوف واطاعت اور غریبوں کے حال پر غمخوارگی اور شفقت ہے جب کہ ان ٹیکسوں میں خدا کی معصیت دل کی سختی حد سے

بڑھی ہوئی حرص اور غریبوں کی ضرورتوں اور ان کے فقر و کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی زبردست خواہش ہے۔ زکوٰۃ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس سے ہمدردی و غمخواری کی روح عام ہوتی ہے، معاشرے میں خوشحالی نظر آتی ہے، مالوں میں برکت، اور دلوں میں الفت پیدا ہوتی ہے۔ ایکدوسرے پر اعتماد اور بھروسہ کی فضا قائم ہوتی ہے لیکن زکوٰۃ کے سوا دوسری سب چیزوں میں ان اوصاف میں سے کچھ بھی نہیں پایا جاتا۔

مقامی تقسیم پر زور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن روانہ کرنے سے قبل ہدایت فرمائی تھی، وہاں کے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کرو، اور وہیں کے غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کرو۔

اس ارشاد کے بموجب حضرت معاذ نے یمن والوں سے زکوٰۃ وصول فرمائی اور چن چن کر یمن کے غریبوں میں اسے تقسیم فرمایا۔ اور تاحیات نہ صرف اپنا معمول بنالیا بلکہ اپنے بعد والوں کیلئے یہ دستور قرار دیا کہ "ترک مستقر کرنے پر، عشر اور زکوٰۃ کی رقم نئے مستقر سے وصول کی جائے گی، اور وہیں کے غریب باشندوں میں تقسیم کردی جائے گی۔ (نیل الاوطار ص ۱۶۱ ج ۴)

ابو حجیفہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تحصیلدار ہماری بستی میں آئے، مالداروں سے زکوٰۃ لیکر انہوں نے وہیں غریبوں میں تقسیم کردی میں یتیم تھا اسلئے مجھے ایک اونٹنی ملی۔

صحیح کی روایت ہے کہ ایک اعرابی نے سوال کیا؛ اے اللہ کے رسول! کیا اللہ نے آپ کو مالداروں سے زکوٰۃ لیکر غریبوں کو دینے کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو بادیہ نشین عربوں

کیساتھ حسن سلوک کی تلقین فرمائی۔ اسلئے کہ وہی خالص عرب۔ اور اسلام کا اصل سرمایہ ہیں۔ دوسرے یہ فرمایا کہ جس جگہ کے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کی جائے، وہیں کے غریبوں میں تقسیم کردی جائے۔ (الاموال صـ۵۹۵)

اس تاکید کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آپ کے تحصیلدار ہاتھ میں لاٹھی۔ اور کاندھے پر وہی بوریہ رکھے واپس آتے۔ جو زکوٰۃ کی وصولی کیلئے روانگی کے وقت وہ اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ حضرت سعید بن مسیب نے حضرت معاذ کے بارے میں بتایا کہ بنو سعد یا بنو ذبیان کی زکوٰۃ انہوں نے وہیں تقسیم کی۔ اور خالی بوریہ لئے واپس آئے۔ (صـ۵۹۶) دورِ فاروقی کے ایک تحصیلدار یعلیٰ بن امیہ کے ساتھیوں کا بیان ہے کہ ہم درہ لئے زکوٰۃ کی وصولی پر نکلتے، اور وہی درہ لیکر گھر لوٹتے (صـ۵۹۸)

اور یہی روش جس کی تلقین، ارشاداتِ نبوی، خلفائے راشدین کی سیرت، اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کے فتاویٰ میں جابجا موجود ہے، عرصہ دراز تک بنو امیہ کے خال خال تحصیلداروں میں موجود تھی۔

چنانچہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زیاد بن ابیہ یا کسی اور اموی حاکم نے آپ کو تحصیلدار بنا کر کسی علاقے میں بھیجا، جب آپ لوٹ کر واپس آئے، تو حاکم نے حیرت سے سوال کیا، کیوں! وصول شدہ مال کہاں چھوڑ آئے؟ حضرت عمران نے اسی لہجے میں فرمایا۔ تو کیا تم نے مال جمع کرنے کے لئے مجھے بھیجا تھا۔ (سنو!) جہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصولی کا حکم فرمایا تھا، میں نے وہاں سے وصول کیا، اور جس جگہ آپ نے تقسیم کا حکم فرمایا تھا وہیں میں نے تقسیم کردیا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، نیل الاوطار صـ۱۶۱ جـ۴)

زکوٰۃ کے اس طریقہ تقسیم کی تائید کرتے ہوئے ابو عبید نے اس کی وجہ یہ بتائی

ہے کہ پڑوس اور ہم وطنی کی وجہ سے ہر بستی کے غریب اس بستی کے مالداروں کی زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں۔ (الاموال صہ ۵۹۸)

اور اگر بستی والوں کی ضرورت تھی لیکن محض نادانستگی میں تحصیلدار نے وہاں کی زکوٰۃ کہیں اور پہنچادی تو زکوٰۃ کی رقم دوبارہ اسی بستی میں لوٹادی جائے گی۔ چنانچہ سعید بن جبیرؒ کا یہی فتوےٰ تھا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اسی پر عمل کرتے تھے۔ (صہ ۵۹۸)

البتہ امام نخعی اور حسن بصری نے دوسری بستی کے زیادہ محتاج عزیزوں کیلئے اشخاص کو منتقلی کی اجازت دی ہے۔ بقول ابو عبید یہ خصوصی اجازت ہے۔ ابوالعالیہ کے قول کی بھی یہی توجیہہ کی گئی۔ ہاں اگر مقامی ضرورت نہ ہو تو زکوٰۃ کی اجتماعی منتقلی بھی جائز ہے۔ خواہ فرد واحد منتقل کرے یا حاکم، چنانچہ امام مالک اور حضرت سحنون فرماتے ہیں۔ اگر کسی بستی کے لوگ حاجتمند ہوں، اور حاکم ان کی ضرورت سے واقف ہو تو زکوٰۃ کی رقم دوسری بستی میں بھیجی جاسکتی ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ صہ ۲۴۶/۱)

ہمہ گیر سماجی کفالت زکوٰۃ کے سلسلے میں اسلام کی متعدد اصلاحات کا مطالعہ اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ غریبوں کیلئے منظم اور جماعتی طور پر اگر کوئی نظم ہوسکا ہے تو وہ یہی زکوٰۃ ہے۔ جس کی جمع و تقسیم کا سارا کام ذاتی اور اختیاری خیرات کی بجائے حکومتی سطح پر عمل میں آتا ہے۔ اور جس کی برکتوں کا یہ عالم ہے کہ بے شمار غریب کھانا، کپڑا۔ اور سر چھپانے کی جگہ پاتے ہیں۔ بیماروں کو دوائیں اور ضرورت مندوں کو ضروریات کی چیزیں مل جاتی ہیں۔ اور اس طرح غریبوں اور مفلسوں کی پوری بستی سکھ چین کا سانس لیتی ہے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ ساتھ وہ افراد بھی اس سے مستفید ہوتے ہیں جو اسلامی مملکت میں پناہ حاصل کر لیتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ کسی معاشرے یا پوری برادری کی اس گہرائی اور گیرائی کے ساتھ پرورش اور کفالت، اسلام کی اعلیٰ ترین خصوصیت ہے، جس کی طرف اسلام نے نہ صرف پیشقدمی کی بلکہ نظریہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی نظیریں بھی پیش کیں اور آج دنیا خود فیصلہ کرسکتی ہے کہ اسلام نے جو کچھ کیا۔ پورے خلوص، للٰہیت اور انسانیت کے ساتھ کیا۔ جبکہ اس کے برعکس جس نے اس مسئلے کو ہاتھ لگایا کوئی نہ کوئی خود غرضی یا مفاد پرستی اس کے مدنظر رہی۔ پھر توجہ کی یہ زحمت اس وقت گوارہ کی گئی۔ جب ان کے خلاف تحریکیں چلائی گئیں، انقلاب کے نعرے بلند کئے گئے، یہاں تک کہ جنگ کے شعلے بھڑکائے گئے۔ تب انھیں احساس ہوا کہ انقلاب ناگزیر ہے۔ اور مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے سوا چارہ نہیں۔

چنانچہ یورپ کی طرف سے کسی سماجی کفالت یعنی افراد کی پرورش کا سب سے پہلا سرکاری اعلان ہمیں سنہ ۱۹۴۱ء کے اٹلانٹک چارٹر میں نظر آتا ہے، جو دراصل انگلستان اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کا مشترکہ بیان تھا۔ اس بیان میں اس فیصلے کو دہرایا گیا تھا کہ

"سماج کی مشترکہ باڈی اپنے افراد کی کفالت اور نگہداشت کی ذمہ دار ہے"

(سماجی کفالت ص ۱۲۶)

حیرت یہ ہے کہ ان کی آنکھیں آج کھلیں۔ جبکہ اسلام نے صدیوں پہلے افراد کی اجتماعی سرپرستی کے کامیاب تجربے کئے، اور اس کے لئے پورا ایک نظام برپا کیا مزید حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ بعض اہل قلم تمام تر ترقیات اور فتح وظفر کا سہرا بس یورپ کے سر باندھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ اور روایات پر منوں مٹی ڈال کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اس قسم کا بس ایک نمونہ بطور مثال ہم

یہاں پیش کرتے ہیں

سنہ ۱۹۵۲ء میں یورپ کے مختلف ملکوں کی ایک انجمن نے "سماجیات" کے موضوع پر ایک کانفرنس منعقد کی۔ کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے مسٹر ڈانیل ایس، جارج نے سماج کی بدلتی ہوئی ذمہ داریوں پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"قدیم زمانے میں سماج کا غریب طبقہ بھیک مانگنے اور خیرات جمع کرنے پر خود کو مجبور پاتا تھا۔ اس لئے کہ ان کی کفالت اور سرپرستی کا اجتماعی نظم نہ تھا، ہاں سترہویں صدی میں اس راہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ لوگوں نے اپنے طور پر جگہ جگہ انجمنیں بنائیں اور محلہ محلہ غریبوں کو امداد بہم پہنچائی"۔۔۔۔

(حلقۃ الدراسات الاجتماعیہ ص ۲۱۷)

غور کیجئے کہ اس زبردست مغالطے اور فریب کی اصل علت اسلامی تاریخ اور اس کے نظام زکوٰۃ سے جہالت کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟ جبکہ گذشتہ صفحات پر تفصیل سے بتایا جاچکا ہے کہ سماج یا افراد کی کفالت اور سرپرستی کا اجتماعی نظم سترہویں صدی سے بہت پہلے، اور لوگوں کی نجی انجمنوں سے کہیں زیادہ منظم اور اعلیٰ پیمانے پر اسلام کرچکا ہے، اور اس کو فرض کا درجہ دیکر دین وایمان کے لئے اشد ضروری بتایا ہے۔ مسٹر جارج نے آگے چل کر کہا۔

"غریبوں کی امداد کے قدیم اور جدید طریقوں کا موازنہ کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ امداد کا موجودہ طریقہ بڑی حد تک تسلی بخش اور مکمل ہے اس لئے کہ پہلے کی بہ نسبت آج کا سماج صرف غریبوں کی امداد نہیں کرتا، بلکہ ان کے سوا باقی افراد کو بھی امداد پہنچاتا ہے۔ اور رنگ، نسل یا مذہب کا لحاظ نہیں کرتا۔ لیکن

یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ آج کا ترقی یافتہ معاشرہ آنکھ بند کر کے ہر کسی کی مدد کر دیتا ہے۔ بلکہ اس کے کچھ اصول اور ضابطے ہوتے ہیں، جس کی وہ سختی سے پابندی کرتا ہے

۱ــ چنانچہ وہ دیکھتا ہے کہ لینے والا واقعی مستحق ہے یا نہیں

۲ــ دوسرے وہ جو کچھ دیتا ہے اسے امداد نہیں، بلکہ تعاون سمجھتا ہے۔ تاکہ لینے والا خود کو فروتر نہ سمجھے۔

۳ــ تیسرے یہ کہ تعاون وہ کچھ اس طرح کرتا ہے، جس کی وجہ سے لینے والے کو دربدر کی ٹھوکریں نہیں کھانی پڑتیں، نہ ہی شرم و ننگ کا اسے کوئی احساس ہوتا ہے۔" (ایضاً)

مسٹر جارج کے ان تازہ انکشافات کو پڑھنے والا اگر اسلامی تاریخ سے ناواقف ہے تو وہ شوق سے اسے انکشاف کہہ سکتا ہے۔ لیکن ہم ایسا سمجھنے سے قاصر اسی لئے ہیں کہ زکوٰۃ سے متعلق اسلامی تعلیمات کا تھوڑا سا مطالعہ کرنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ یورپ، اسلام کے سماجی نظام کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ شریعت کی رو سے یہ ایک طے شدہ حق ہے اور حق بھی ایسا کہ دینے والا لینے والے پر کوئی احسان نہیں جتلا سکتا، نہ اسے کسی قسم کی اذیت کے درپے ہو سکتا ہے۔ نیز اس کی جمع و تقسیم اور اس کا سارا نظم حکومت کرتی ہے۔ ہر کم آمدنی اور ناکافی آمدنی والا اس کا مستحق ہے۔ اور محض اسی ایک ذریعہ سے اسلام غریبوں کی غریبی کو بالکلیہ زائل کرتا ہے۔ اور انھیں مالداروں سے قریب کرتا ہے اور اب ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ یورپ کو اس سے بہتر سماجی نظام بس خواب میں نظر آسکتا ہے۔

باب ششم

چوتھا ذریعہ ــــ اسلامی بیت المال

- ــــ رواداری
- ــــ جوابدہی کا تصور

چوتھا ذریعہ

اسلامی بیت المال

زکوٰۃ — جیسا کہ پہلے بتایا گیا — اسلام میں غریبی کا تیسرا اور مالی اعتبار سے پہلا علاج ہے۔ لیکن قدرے اضافے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی حکومت کا سرکاری خزانہ جس کی ایک مستقل آمدنی زکوٰۃ ہے۔ اپنے دیگر مستقل ذرائع کے ساتھ، غریبی کو ہٹانے کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ اس لئے کہ اسلامی حکومت کی جملہ املاک اور بیت المال کے تمام ذرائع محتاج اور بیکس افراد کے لئے وقف ہوتے ہیں۔ خصوصاً ایسے حالات میں ان کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے جبکہ زکوٰۃ کی مد ان کے لئے ناکافی ہوتی ہے اور ان کی ضرورت بدستور باقی رہتی ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف مخصوص ہوتے ہیں اور بیت المال کے دیگر ذرائع سے دوسرے لوگ بھی فیضیاب ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:۔ ما أفاء الله .... (حشر-۷)۔ واعلموا أنما .... (انفال ۴۱)

جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو بستیوں والوں سے دلوایا وہ اللہ اور پیغمبر اور ان کے قرابت داروں اور یتیموں اور مسافروں کے لئے ہے۔ تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں یہ مال ان ہی میں نہ گھومتا رہے۔

اور جان لو کہ جو شیء کفار سے بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اور ایک حصہ آپ کے قرابتداروں کا ہے اور ایک حصہ یتیموں کا اور ایک غریبوں کا۔ اور ایک حصہ مسافروں کا ہے

" اس میں شک نہیں کہ اسلامی تعلیمات کے ماہرین نے زکوٰۃ کے استعمال میں، سخت احتیاط کی تاکید کی ہے اور اس بات کی اجازت نہیں دی کہ زکوٰۃ یا اس کی

معمولی سی رقم فوجیوں کی تنخواہ ، یا کسی اور مد میں خرچ کی جائے ، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اگر حکومت کے پاس دوسرا بجٹ نہ ہو ، اور صرف زکوٰۃ کے بجٹ میں روپیہ موجود ہو ، تو اس صورت میں زکوٰۃ کے بجٹ سے حسب ضرورت قرض لیا جائے گا ۔ اور بعد میں اُسے لوٹا دیا جائے گا ۔ اور اگر کسی مسلمان کو کوئی ضرورت ہو ۔ اور بیت المال میں زکوٰۃ کی رقم نہ ہو ، تو امام کو چاہیئے کہ خراج کی مد سے اس کی امداد کرے اور اسے قرض شمار نہ کرے ۔ اس لئے کہ یہ کہا جا چکا ہے کہ خراج اور اس قبیل کی دیگر رقمیں غریب مسلمانوں پر بھی خرچ کی جا سکتی ہے ۔" (مبسوط سرخسی ج ۳ ص ۱۸)

بخاری اور مسلم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

انا أولی بکل مسلمٍ من نفسه ، من ترك مالاً فَلِوَرَثَتِهٖ ومن ترك دینًا او ضیاعًا فالیَّ وَعَلیَّ (متفق علیہ)	"ہر مسلمان کا (حقیقی) سرپرست میں ہوں ، یاد رکھو ، جس نے ترکے میں دولت چھوڑی وہ اس کے وارث کی ہو گی ۔ لیکن جو اس حال میں مرا کہ اس کے ذمہ قرض ہے ، یا اسکے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں تو انکی کفالت اور نگہداشت میرے ذمہ ہو گی ۔"

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں مالک بن اوس سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تین باتوں پر عموماً قسم کھاتے تھے ۔

۱ــــ خدا کی قسم نہ بیت المال میرا ہے ، نہ کسی اور کا ۔

۲ــــ بخدا سب مسلمان اس مال میں برابر کے شریک ہیں ۔

۳ــــ خدا کی قسم اگر زندگی نے میرا ساتھ دیا تو میں صنعاء ، (یمن کے ایک شہر) کی پہاڑی پر موجود چرواہے کو اس کا حق پہنچاؤں گا ۔ بقول امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ :

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ حاکم وقت اور

رعایا میں کوئی فرق نہیں اور ہر مسلمان بیت المال سے امداد کا حقدار ہے۔" (نیل الاوطار جلد ۸ ص ۹)

رواداری

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے، کہ بیت المال سے غریب مسلمان ہی نہیں مستفید ہوتے بلکہ انکے علاوہ وہ غیر مسلم جو ذمی کہلاتے ہیں، اور اسلامی زندگی کے زیر سایہ زندگی گذارنے کا عہد کئے ہوتے ہیں ان کا بھی حق ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے بیت المال سے فیضیاب ہوں۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں حضرت خالد بن الولید کے اس معاہدے کو بعینہ نقل کیا ہے۔ جو ان کے اور حیرہ کے باشندوں کے درمیان عراق میں ہوا تھا۔ حیرہ کے یہ باشندے عیسائی تھے، یہ سیاسی معاہدہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ تنگدستی، بیماری یا بڑھاپے کے خلاف مسلمان اس قوم کے ساتھ مکمل تعاون کی ذمہ داری اپنے اوپر عائد کرتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی سماجی گیارنٹی تھی، جو اسلامی افواج کے سالار حضرت خالد بن الولید نے اس قوم کو دی تھی، جس نے اپنے مذہب پر برقرار رہنے کو پسند کیا تھا،

اسلامی رواداری کا آئینہ دار یہ معاہدہ حضرت خالد بن ولید کے الفاظ میں قلمبند کیا گیا۔ اس کی ایک دفعہ ذیل میں درج ہے۔

" اسلامی افواج کے سالار کی حیثیت سے میں اقرار کرتا ہوں کہ حیرہ کا جو باشندہ بڑھاپے، بیماری یا کسی اور وجہ سے اگر اس حد تک معذور ہو جائے، کہ اسے بھیک مانگنا پڑے تو اس سے وصول کیا جانے والا جزیہ (سالانہ ٹیکس) معاف کر دیا جائے گا اور اس کے اخراجات، اسی طرح اس کے اہل و عیال کی جملہ ضروریات، بیت المال سے پوری کی جائے گی، بشرطیکہ یہ شخص دار الاسلام میں اپنی سکونت برقرار رکھے۔ لیکن اگر یہ شخص دار الاسلام سے نکل کر کسی ایسے علاقے میں آباد ہوا، جن سے ہم برسر پیکار ہوں

تو ہم اس کی کفالت اور نگہداشت سے بری ہوں گے۔

(کتاب الخراج ص۱۴۴)

اس معاہدہ پر عمل درآمد خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا، اور اس وقت موجود صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں سے کسی نے اعتراض نہ کیا، جو متفقہ فیصلہ ہونے کی دلیل ہے۔

بعینہ اسی قسم کا ایک معاہدہ خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب کے دورِ خلافت میں تحریر کیا گیا، جس میں غیر مسلموں کو سماجی تحفظ یعنی جان و مال کی حفاظت، اور ناداری کی صورت میں مکمل تعاون کا یقین دلایا گیا، اس میں شک نہیں کہ خلفاء راشدین کا یہ عمل مسلمانوں کے لئے نمونہ ہے اور قیامت تک آنے والے مسلمان، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرح اپنے سینہ سے لگائیں گے،۔ یہ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی بلیغ انداز میں فرمایا:

اِنّ من یعش منکم فسیریٰ اختلافًا کثیرًا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاً الراشدین المھدیین من بعدی عضوا علیھا بالنواجذ۔ (ابو داؤد، ترمذی)	(سنو) تم میں سے جو کوئی زیادہ عرصے تک زندہ رہیگا، وہ اپنے اردگرد بہت سارے جھگڑے اور طرح طرح کے اختلافات دیکھے گا لیکن ایسے وقت اسکا کام بس یہ ہونا چاہئے کہ وہ میری سنت اور میرے راست باز خلفا کے صاف اور سیدھے طریقے کو مضبوطی سے تھام لے اور اسپر عمل کرتے

خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بصرہ کے حاکم حضرت عدی بن ارطاۃ کو ایک خط لکھا۔ اور تاکید فرمائی، کہ اس میں درج کئے گئے تمام ضابطوں کی پوری پوری تعمیل کی جائے۔ جب یہ خط بصرہ پہنچا تو اس کی اہمیت کے پیشِ نظر حاکم وقت نے عوام

کے سامنے اسے پڑھ کر سنایا، اس میں تحریر تھا۔

" اپنی عملداری میں تلاش کرو، تمہیں کہیں ایسے ذمی نظر آئیں گے۔ جو کمزور اور اپاہج ہوں گے، تمہارا فرض ہے کہ بیت المال سے حسب ضرورت ان کا روزینہ مقرر کرو، اس لئے مجھے معلوم ہوا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب نے ایک بوڑھے اندھے کو بھیک مانگتے دیکھا آپ نے اس کا مونڈھا پکڑ کر پوچھا، تو کس اہل کتاب سے ہے۔ اس نے کہا، میں یہودی ہوں، آپ نے پوچھا، پھر بھیک کیوں مانگ رہا ہے۔ اس نے کہا۔ مجھ سے جزیہ طلب کیا جا رہا ہے، اور مجھ میں ادائیگی کی سکت نہیں حضرت عمر خود اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے گھر آئے، اور اپنے یہاں سے کچھ عنایت کر کے بیت المال کے خزانچی کو بلا بھیجا۔ اور حکم دیا کہ اس کی حالت دیکھو اور اس کے لئے کچھ مقرر کردو، اور اس سے جزیہ نہ لو، بخدا یہ انصاف کی بات نہیں، کہ ان لوگوں کی جوانی سے ہم فائدہ اٹھائیں، اور بڑھاپے میں انہیں ٹھوکر کھانے کے لئے چھوڑ دیں۔" (الاموال ص۴۶)

حضرت عمر بن خطاب کے مذکورہ بیان کے آخری الفاظ قابل غور ہیں جس طرح حکومتیں مالداروں سے محصول وصول کرتی ہیں، اسی طرح نادار ہو جانے پر سرکاری خزانے سے ان کی مدد کرنا حکومتوں کا فرض ہونا چاہئے۔ یہ نہیں کہ جبتک لوگوں کے پاس دولت تھی، ان سے خوب خوب وصول کیا۔ اور جب وہ نادار، اور اپاہج ہو گئے، ان کو نظر انداز کر دیا۔

جوابدہی کا تصور

بیت المال سے غریبوں کی مجوزہ امداد کی صورت میں ایسا وقت آسکتا ہے جبکہ امداد کا کام ختم ہو جانے سے پہلے بیت المال کا خزانہ خالی ہو جائے اور دوسری طرف تمام مسلمانوں کے دلوں سے ناداروں کے لئے ان کا ایثار و قربانی کا جذبہ بھی سرد

ئے۔ ایسے نازک موقعہ پر اسلامی حکومت کی پالیسی یہ ہوگی کہ وہ مالداروں
ری امداد لاگو کرے گی، اور ان سے زبردستی روپیہ وصول کرے گی۔ اس ایک
ل سے اسلامی حکومت کی عظمت وقوت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اس اقدام کی معقول وجہ ہے، وہ یہ کہ حکومتوں کا کام محض افراد یا ان کی
مداد کی حفاظت نہیں، یا اس کا سب سے بڑا مقصد قیام امن یا صرف ظلم وجور کا
مداد نہیں، جس کے بعد لوگ آزاد رہیں، اور آزادی کے نام پر جو چاہیں کریں اور
ی ضمن میں غریبوں کو حالات کے رحم وکرم پر انھیں چھوڑ دیں۔ جس کے بعد یا تو وہ
ین سے مرتد ہو جائیں۔ یا غریبی اور افلاس کے عالم میں اس دنیا سے کوچ کر جائیں
یسا کہ انفرادی اور آزاد معاشی پالیسی کے ایک نقیب اور ہمدرد " آدم سمیث
ا یہ نظریہ ہے کہ حکومت کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ مالداروں کو زیادہ سے زیادہ آزادی
ور خود مختاری دے۔ اور ناداروں کو ان کے قریب تک نہ جانے دے۔ وہ یہ بھی
ہتے ہیں کہ سماج کے جملہ افراد ایک اقتصادی مشنری کے کل پرزے ہیں۔ وہ باہم
ربوط صرف اس لئے ہوتے ہیں تاکہ ملک کی پیداوار بڑھائیں، اور معاش کی نئی نئی
راہیں کھولیں ۔ لیکن اسلام اس نظریے کی سخت مخالفت کرتا ہے۔ اس کا یہ عقیدہ
ہے کہ تمام افراد کسی اقتصادی مشنری کی طرح نہیں، بلکہ ایک خاندان کی طرح ایکدوسرے
سے باہم مربوط ہوتے ہیں، اسی طرح ان کا باہمی ربط پیداوار بڑھانے یا معاش کی نت
نئی راہیں کھولنے کے لئے نہیں بلکہ ان کا ربط۔ ایمان اور اسلام کے لازوال رشتہ کی
بنا پر ہوتا ہے، اور یہ اسی عقیدے کی برکت ہے کہ ان کا رنگ اور ان کی نسل مختلف
ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کا راستہ اور ان کی منزل ایک اور صرف ایک
ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس صفت سے متصف سماج کو ایک جسم اور ایک قالب سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی جس طرح ایک جسم کا عضو ایک دوسرے سے مربوط ہوتا ہے ایک دوسرے کو سہارا دیتا ہے۔ اور فائدہ پہنچاتا ہے، یہی حال مسلم معاشرے اور اسلامی سماج، اور اس کے افراد کا ہوتا ہے

اسلام بتاتا ہے کہ امام جو حکومت کا نظم و نسق چلانے کے لئے مقرر ہوتا ہے۔ درحقیقت اس کی حیثیت جسم کے اندر "سر" کی سی ہوتی ہے جو افراد کے اندر جملہ روابط اور اشتراک کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ورنہ اس کے بغیر معاشرہ ہر قسم کے برگ و بار سے خالی اور تہی ہو جاتا ہے۔ اب یہ بات واضح ہو چکی کہ امام کی حیثیت شہنشاہیت کے محافظ دستے کی سی نہیں۔ اور نہ اس کا کام محض اندرونی یا بیرونی حملوں سے لوگوں کی عام حفاظت کرنا ہے۔ بلکہ دیکھا جائے تو اس کا کام اس سے بھی بڑا اور اہم ہے دراصل اسلام میں امام کو وہی مقام حاصل ہوتا ہے۔ جو خاندان کے اندر باپ کو حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے بخاری و مسلم کی اس روایت میں دونوں کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔

کلکم راعٍ وکلکم مسئولٌ عن رعیتہ فالامام راعٍ وھو مسئولٌ عن رعیتہ والرجل فی اھل بیتہ راعٍ وھو مسئولٌ عن رعیتہ (متفق علیہ)

تم میں سے ہر کوئی نگراں ہے اور ہر کسی کو اپنے ماتحتوں کے بارے میں جواب دینا ہوگا امام وقت بھی نگراں ہے۔ اور اپنی رعیت سے متعلق جوابدہی اسے کرنی ہوگی، اسی طرح گھروں میں باپ بھی نگراں اور جوابدہ ہے اور گھر کے جملہ افراد کے بارے میں اس سے باز پرس ہوگی

ہر کوئی جانتا ہے کہ باپ کا کام خاندان کی حفاظت نہیں ہوتا بلکہ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ان کی پرورش اور تربیت کرے، ان کے ساتھ عدل و انصاف کا

برتاؤ کرے۔ اور دستور کے مطابق ان پر خرچ کرے،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ کہا کرتے تھے۔ انسان تو در کنار، عراق میں اگر کوئی خچر سے گر جائے، تو مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن خدا مجھ سے پوچھیگا کہ میں نے اس کے چلنے کے لئے راستے کیوں نہیں درست کئے تھے (طبقات ابن سعد ج۳ ص۳۰۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک واقعہ ان کی بیوی حضرت فاطمہ کی زبانی تاریخ میں موجود ہے، وہ کہتی ہیں، ایک بار میں ان کے پاس پہنچی، وہ نماز پڑھکر چہرے پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، میں نے پوچھا کیوں کیا ہوا۔؟ جواب میں فرمایا، فاطمہ! بہت برا ہوا۔ تم دیکھتی ہو رعایا کی ساری ذمہ داری میرے سر ہے۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال آتا ہے۔ کہ ملک کے مختلف علاقوں میں راستوں اور سڑکوں پر غریب غرباء پڑے ہوں گے۔ جو نان شبینہ کو ترستے ہونگے ایسے بیمار ہوں گے۔ جن کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا، ایسے ننگے بدن ہونگے، جنکے تن پر کپڑا نہ ہوگا، دل شکستہ یتیم اور وہ بیوائیں ہوں گی، جن کا ہمدم اور غمخوار کوئی نہ ہوگا۔ عمر رسیدہ بوڑھے اور کثیر العیال افراد ہوں گے۔ جن کی پریشانی بیان سے باہر ہوگی، ـــــ مجھے یقین ہے کہ ان سب کے بارے میں قیامت کے دن خدا مجھ سے جواب طلب کرے گا۔ مزید برآں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی سامنا ہوگا سچ پوچھو تو اس وقت کی اپنی بے بسی اور بیچارگی پر مجھے اس وقت رونا آتا ہے"۔ (البدایہ ج۹ ص۲۰۱)

خلیفہ منتخب ہونے کے بعد پہلی بار حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنے گھر آئے، چہرے پر گہری فکر کے آثار نمایاں تھے۔ خادم نے عرض کیا۔ آپ فکرمند کیوں ہیں؟ آج تو خوشی کا دن ہے! جواب میں آپ نے فرمایا، تیرا برا ہو، آج تو غم کا دن ہے۔ تم جانتے ہو، اس امت کے سبھی افراد خواہ ان کا تعلق مشرق سے ہے، یا مغرب سے، مجھ سے

اپنا حق طلب کر رہے ہیں۔ یہ درست ہے کہ فرداً فرداً ان میں سے ہر ایک کی درخواست میرے سامنے نہ آئی، یا انھوں نے براہ راست مجھ سے اس کا مطالبہ نہیں کیا، لیکن بہرحال میرا یہ فرض ہوگا کہ میں ان کے حقوق ادا کروں"۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۹۸-۲۰۱)

اپنے وقت کا یہ بیدار مغز خلیفہ محض اس اندیشہ سے لرزتا تھا کہ ساری امت خصوصاً غرباء و مساکین کی بابت ان سے باز پرس ہوگی، خواہ وہ کہیں کے ہوں۔

۱ــــ بنا بریں اسلامی قلمرو میں یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہاں کے حکمراں عدل و مساوات کو قائم کریں، خیر اور بھلائی کی دعوت دیں، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنائیں، لیکن بلاشبہ انصاف پسندی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ نہ ہوگا کہ غریب اور کمزور بھوکے مریں، یا کھانے کپڑے اور مکان جیسی بنیادی ضروریات سے محروم رہیں، جبکہ سماج میں انھیں کے اردگرد ایسے لوگ بھی ہوں جن کے پاس زائد رقم اور فاضل سرمایہ بدستور موجود ہو۔

۲ــــ اسلامی حکومتوں کا دوسرا فرض یہ بھی ہے کہ غریبی کے ہٹانے اور ناداروں کو معقول زندگی کے مواقع مہیا کرنے کے لئے مختلف وسائل و ذرائع پیدا کریں۔ یہاں ان ذرائع کی تعیین یا اس پر بحث و تمحیص یقیناً بے معنی ہوگی، اس لئے کہ زمانہ، ماحول اور مقام کے لحاظ سے ان ذرائع و وسائل کی شکلیں لامحالہ بدلتی رہیں گی، پھر درحقیقت امت کے باہوش اور جدت پسند طبقہ کے لئے یہ بھی ایک کشادہ میدان ہوگا، جہاں وہ اپنی فکر و تدبیر کی جولانی کا مظاہرہ بھی کریں گے، اور اپنے بچھڑے ہوئے بھائیوں کے لئے روزگار کی نت نئی راہیں بھی پیدا کریں گے، ایک مثال کے ذریعہ اس کی وضاحت کی جاتی ہے، حضرت عمر فاروق رضؓ نے غرباء و مساکین کے لئے جو مختلف اسکیمیں جاری

فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ آپ نے مدینہ کے قریب (ربذہ) نامی چراگاہ کو چاروں طرف سے گھیر کر محفوظ کر دیا تھا۔ اور یہ اعلان جاری کیا تھا کہ اس زمین میں صرف غریب مسلمان اپنے مویشیوں کو چرائیں گے۔ اور زمین بھی مشترکہ طور پر بستی کے غریب مسلمانوں کی ملکیت متصور ہوگی۔

اس اسکیم کا مقصد یہ تھا کہ غریب طبقہ اس سے فائدہ اٹھائے۔ ان کے مویشیوں کی افزائش ہو اور حکومت کی مزید امداد کے بغیر ان کی گذر بسر ہوتی رہے "ھنی" جو سرکاری طور پر اس چراگاہ کی نگرانی کے لئے مقرر ہوئے تھے : ان کے نام حضرت عمر بن خطاب نے جو تحریر ارسال فرمائی تھی، اس میں مذکورہ بالا مقاصد آپ کے پیش نظر تھا، تحریر یہ ہے ۔ (الاموال ص ۲۹۹)

"ھنی" لوگوں سے مت الجھنا، مظلوم کی بد دعاؤں سے بچنے کی ہمیشہ کوشش کرنا، اس لئے کہ خدا کے دربار میں وہ فوراً مقبول ہو جاتی ہیں۔ اس کا خیال رکھنا کہ جن لوگوں کے پاس کم اونٹ اور بکریاں ہوں، وہی چراگاہ سے فائدہ اٹھائیں بنا بریں (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) بن عفان اور (عبدالرحمن رضی اللہ عنہ) بن عوف کے اونٹوں کو گھسنے نہ دینا۔ اس لئے کہ ان کے مویشی برباد ہو بھی جائیں تو کیا غم؟ ان کے کھیت اور کھجوروں کے باغات ان کے لئے ہر طرح کافی ہیں البتہ ان بیچاروں کے مویشی مرنے لگیں گے، تو یہ کہیں کے نہ رہیں گے، پھر اگر یہ میرے پاس فریاد لیکر آئیں گے تو میں انھیں کیونکر نظر انداز کروں گا۔ میری نظر میں بجائے سیم و زر کے، چارے اور گھاس سے ان کی امداد کرنا، زیادہ مناسب ہے (الاموال لابی عبید ص ۲۹۹) اس تحریر سے خاص طور پر تین امور کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔۔۔اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ محدود آمدنی والے خصوصاً غریب طبقے پر اپنی توجہ مرکوز کرے۔ ان کے لئے کھانے کمانے کے ذرائع فراہم کرے۔ اور اس بات کی بالکل پروا نہ کرے کہ اس کے تجویز کردہ ذرائع سے مالداروں پر اثر پڑے گا، یا ان کے مفاد مجروح ہونگے۔

۲۔۔۔اسلامی حکومت کے زیر سایہ زندگی گذارنے والے تمام افراد کو جو ذریعۂ معاش یا روزگار سے محروم ہو گئے ہوں، یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ ذمہ دار حاکم کے سامنے فریاد کریں۔ اور بیت المال سے اپنے اور اپنے بال بچوں کے حقوق طلب کریں، حکومت کا بھی فرض ہوگا کہ ان کی فریاد سنے، اور ان کے لئے معقول بندوبست کرے۔

۳۔۔۔بیدار سیاسی بصیرت یہ ہے کہ روزگار کے نت نئے ذرائع کی فکر کی جائے، ذہین محنتی لوگوں کو کام سے لگایا جائے، اور اس طرح کم سرمایہ رکھنے والوں کی آمدنی بڑھانے کی تدابیر کی جائے تاکہ یہ لوگ اپنے پیروں پر کھڑے ہوں، اور حکومت یا کسی ادارے کے محتاج نہ بنے رہیں
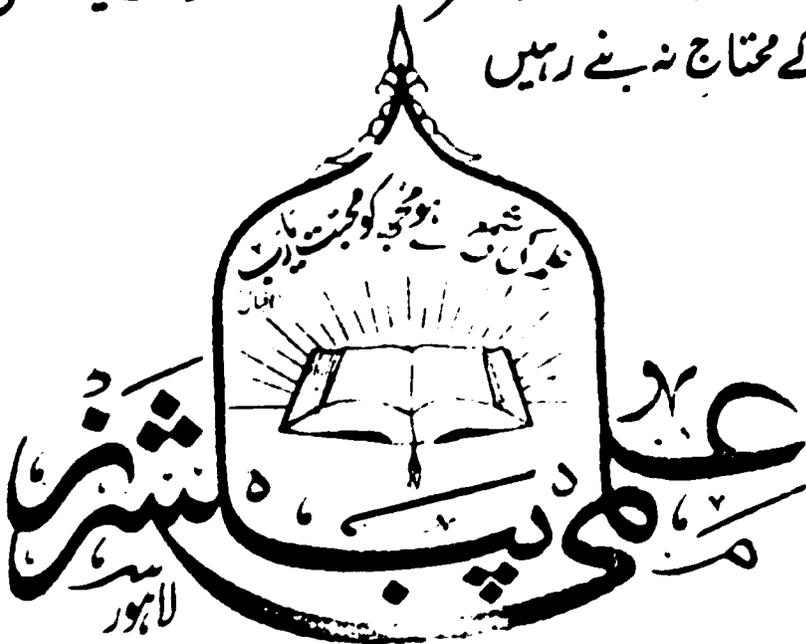
باب ہفتم

دیگر امدادی ذرائع

- پانچواں ذریعہ۔ دیگر امدادی ذرائع
- پڑوسی کے حقوق
- قربانی
- قسم کا کفارہ۔ ظہار کا کفارہ
- روزہ کی حالت میں جماع کا کفارہ
- روزہ نہ رکھنے کا کفارہ
- ھدی کے جانور
- کٹائی کا حصہ
- حسن معاشرت
- غریبوں مسکینوں کی پرورش کا حق
- علامہ ابن حزم کی تحقیق
- تائید ربانی
- ارشاد نبوی
- آثار صحابہ

پانچواں ذریعہ

دیگر امدادی ذرائع

اگر فاقہ اور افلاس کی وبا عام ہو، اور زکوٰۃ کی پوری پوری رقم ادا کرنے کے بعد بھی لوگ فاقے سے نجات نہ پاسکیں، تو ایسی صورت میں ایک مسلمان پر زکوٰۃ کے علاوہ کچھ اور تقاضے اور مطالبات ہیں، جن کی ادائیگی اس پر لازم ہوتی ہے، دیکھا جائے تو غریبوں کی اعانت اور انسانوں، خصوصاً مسلمانوں کے اندر سے تنگدستی کے انسداد کے لئے، ان کے اندر بھی بڑی طاقت مخفی ہے۔ ان حقوق میں سے چند یہ ہیں:۔

۱۔ <u>پڑوسی کے حقوق</u>:۔ قرآن پاک نے متعدد موقعہ پر اس حق کو ادا کرنے کی تاکید کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ (نساء ۳۶)	اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو، اور اہل قرابت کے ساتھ بھی، اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی، اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی، اور ہم مجلس کے ساتھ بھی

ایک حدیث میں ہے، آپ نے ارشاد فرمایا۔

من کان یومن باللّٰہ والیوم الآخر فلیکرم جارہٗ (متفق علیہ)	اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والے کو پڑوسی کی عزت کرنی چاہیئے:۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:۔

مازال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ سیورثہ (متفق علیہ)

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پڑوسی کے حقوق ادا کرنے کی مجھے اسقدر تاکید کی کہ مجھے خیال آیا کہ کہیں اسے وراثت میں حصہ نہ دینا پڑے

مشہور حدیث میں ہے جس میں آپ نے فرمایا۔

لیس بمومنٍ من بات شبعانَ وجارہ الی جنبہ جائعٌ وَ ھو یعلم (بیہقی)

وہ آدمی مومن نہیں جو رات میں شکم سیر ہوکر سو رہے، اور اس کے قریب کا پڑوسی یونہی بھوکا رہے حالانکہ اسے معلوم ہے

آپ نے فرمایا۔

اَیُّمَا اَھْلِ عَرَصَۃٍ اَصْبَحَ مِنْھُمْ اِمْرَءٌ جَائعٌ فَقَدْ بَرِأَتْ مِنْھُمْ ذِمَّۃُ اللّٰہِ۔ (حاکم)

جس گھرانے کا ایک فرد بھی بھوکا سو رہے (اور گھر کے دوسرے افراد اس کی کوئی فکر نہ کریں) تو باری تعالیٰ بھی اُنسے بری الذمہ ہوجاتا ہے

آپ نے یہ بھی فرمایا۔

ولا توذہ بقتار قدرك الا ان تغرف لہ منہا، واذا اشتریت فاکھۃ فاھد لہ منہا، فان لم تفعل فادخلہا سِرًا ولا یخرج بہا ولدك لیغیظ بہا ولدہ (مکارم اخلاق)

اپنے گھر میں لذیذ پکوان پکاکر اس کی خوشبو سے پڑوسی کا دل نہ دکھاؤ، بلکہ کچھ اس کے یہاں بھی بھیج دو، حتی کہ پھل خریدو، تب بھی اسے کچھ کھلادو، ایسا نہ ہو کہ تمھارا بچہ ہاتھ میں پھل لیکر کھاتا ہوا پڑوس میں جائے اور وہاں کے بچے اس کا منہ تکتے رہیں

حضرت ابوذر نے فرمایا، میرے عزیز ترین رفیق صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس بات کی نصیحت کی تھی کہ اپنے یہاں کچھ پکاؤ تو شوربہ بڑھا لیا کرو۔ پھر کسی ضرورت مند پڑوسی

کی تلاش میں نکل پڑو۔ اور کچھ تھوڑا سا اُسے دے آؤ۔ (مسلم)

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری نہیں بلکہ سبھی جانتے ہیں کہ پڑوسی صرف وہ نہیں، جس کا مکان گھر سے متصل ہو، اس لئے کہ آپ نے فرمایا۔

ان اربعین داراً اجارٌ (ابوداؤد) پڑوسی کا دائرہ چالیس گھر تک وسیع ہوتا ہے اس کی تشریح بعضوں نے یہ کی ہے کہ چاروں سمتوں میں چالیس گھر مراد ہیں دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ پورا محلہ بمنزلہ پڑوس کے ہوا۔ رہا یہ سوال کہ ان میں مقدم اور موخر کون ہیں؟ تو ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہی سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش فرمایا حضور میرے دو پڑوسی ہیں ایک کا مکان دروازے کے عین سامنے ہے دوسرا ذرا فاصلہ پر رہتا ہے اور ہماری حالت یہ ہے کہ کبھی ہمارے یہاں بس اتنا بچا کھچا ہوتا ہے، جو صرف ایک آدمی کے لئے بمشکل کافی ہوتا ہے۔ بس ان دونوں میں سے کون اس کا زیادہ حقدار ہے؟ آپ نے فرمایا:

المقبل علیك ببابه (بخاری) جو دروازے کے سامنے ہے وہ زیادہ حقدار ہے

درحقیقت اسلام کی تعلیم ہے کہ پورا محلہ ایک یونٹ اور وحدت کی شکل میں آباد ہے جہاں ایک کا غم سب کا غم، اور ایک کی خوشی سب کی خوشی ہو، جہاں بھوکے شکم سیر ہو سکیں۔ اور کسی کے بدن پر چیتھڑے نہ جھولتے رہیں یہ اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہوا تو خدا اور رسول اس کے ذمہ سے بری ہوں گے، اور ایسا فرد خود کو اسلامی برادری میں شامل کہلانے کا حقدار بھی نہ ہوگا۔

اسلامی تعلیمات کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز کو سختی سے روکتا ہے۔ اور ان کے ساتھ یکساں سلوک کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر تھا۔ ان کا غلام بکری ذبح کر کے اسے چھیل رہا تھا، حضرت عبداللہ نے اس سے فرمایا دیکھو بکری چھیل کر فرصت پاؤ تو سب سے پہلے ہمارے پڑوس کے یہودی کے گھر گوشت دے آنا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے پھر یہی فرمایا، غلام نے اس اصرار کی وجہ پوچھی، تو جواب میں آپ نے فرمایا:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پڑوسی کا حق ادا کرنے کی اس قدر تاکید فرماتے تھے کہ ہم سمجھتے تھے اسے ترکہ سے حصہ بھی ملے گا (ابوداؤد)

۲ — **قربانی** :- امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہر مالدار صاحب نصاب پر واجب ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے:-

من کان عندہٗ سعۃ فلم یضح	جس نے وسعت رکھتے ہوئے قربانی نہ کی،
فلا یقربن مصلانا (ابن ماجہ)	وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

۳ — **قسم کا کفارہ** :- قرآن پاک میں ہے:-

فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ	(قسم کا) کفارہ یہ ہے کہ قسم کھا کر توڑنے والا،
مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ	دس فقیروں کو اوسط درجے کا وہ کھانا کھلائے
اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ	جو وہ کھاتا تھا، یا وہ کپڑا پہنائے، جو خود پہنتا
(مائدہ۔۸۹)	تھا، یا پھر ایک غلام آزاد کرے

۴ — **ظہار کا کفارہ** :- جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا، تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں یا بہن کی پشت، تو اس صورت میں اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، جبتک کہ یہ شخص اپنی قسم کا کفارہ نہ دے، اور اس قسم کا کفارہ یہ ہے کہ یا تو ایک غلام آزاد کرے، یا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے، یہ بھی نہ ہو

تو ساٹھ فقیروں کو کھانا کھلائے۔

۵۔ رمضان کے دن میں جماع کا کفارہ: یہ کفارہ ظہار کی طرح ہے۔ اور ازروئے حدیث واجب ہے۔

۶۔ بڑھاپے یا بیماری کے سبب روزہ نہ رکھنے کا فدیہ: جو لوگ رمضان کے روزے نہ رکھ سکیں، وہ ہر روزے کے بدلے کسی غریب کو کھانا کھلائیں۔

وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین (بقرہ: ۱۸۴)	اور جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے، کہ وہ ایک غریب کا کھانا ہے۔

حاملہ اور دودھ پلانے والی کو بچہ کے بارے میں خطرہ (یطیقونه، بتکلف طاقت رکھنا) لاحق ہو تو اس کے لئے بھی یہی حکم ہے، جیسا کہ فقہا نے کہا۔

۷۔ ہدی: گائے بکری یا اونٹ جنہیں حج یا عمرہ کرنے والے خانۂ کعبہ کے پاس اس لئے روانہ کریں کہ حالت احرام میں سرزد قصور کی تلافی ہو.... یا تمتع یا قران کا شکرانہ ادا ہو۔ ارشاد ہے:-

یاأیها الذین آمنوا لاتقتلوا الصید وأنتم حرم ومن قتله منکم متعمداً فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم به ذوا عدل منکم هدیا بالغ الکعبة أو کفارة طعام مساکین (مائدہ، ۹۵)	اے ایمان والو وحشی شکار کو قتل مت کرو، جب تک کہ تم حالت احرام میں ہو، اور جو شخص تم میں سے اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا۔ تو اس پر بدلہ واجب ہوگا، جو مساوی ہوگا اس جانور کے جس کو قتل کیا ہے، جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں۔ خاص چوپایوں میں سے بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے، اور

خواہ کفارہ مساکین کو دیدیا جائے۔

فمن تمتع بالعمرۃ إلی الحج فما استیسر من الھدی۔ (بقرۃ : ۱۹۶)

توجو شخص عمرہ سے اس کو حج کے ساتھ ملا کر فائدہ اٹھایا ہو تو جو قربانی میسر ہو۔

بہت ممکن ہے کہ ہدی کا طریقہ شارع نے بھوک کے مسئلے پر قابو پانے اور غریبوں کو گوشت کی نعمت سے بہرہ ور کرنے کے لئے اختیار کیا ہو، اسلئے کہ یہ بھی ممکن تھا کہ اس موقعہ پر غلام آزاد کرنے کیلئے کہا جاتا۔ یا روزہ رکھنے کا حکم ہوتا، یا اسکی قیمت یا اس سے زیادہ خیرات کرنے کیلئے کہا جاتا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر۔ (حج : ۲۸)

تو ان جانوروں میں سے تم بھی کھایا کرو مصیبت زدہ کو بھی کھلایا کرو۔

نیز فرمایا :۔

فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر کذالك سخرناھا لکم لعلکم تشکرون (حج، ۳۶)

تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی کو بھی کھلانے دو، ہم نے ان جانوروں کو اسطرح تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔

۸۔ کٹائی سے حصہ :۔ قرآن پاک میں ہے :۔

وھو الذی انشا جنت معروشت وغیر معروشت والنخل والزروع مختلفا اکله والزیتون والرمان متشابھا وغیر متشابه کلوا من ثمرہ اذا اثمر واتوا

خدا وہی ہے جس نے ایسے باغات بنائے جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں، اور دلبعضے ایسے جو نہیں چڑھائے جاتے، اسی طرح کھجور، انار، زیتون، اور بہت سی فصلیں ایک جیسی اور مختلف نظر آنے والی جب

حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ — یہ پھل دیں، تو تم ان کے پھلوں کو کھاؤ اور کٹائی کے اس دن کا حق غریبوں تک پہنچاؤ (انعام - ۱۴۲)

صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ ادائیگی، زکوٰۃ کے علاوہ ہونی چاہیئے، اس حق کے مستحق خصوصًا وہ لوگ ہیں، جو کھیت اور کھجوروں کے باغات کے مالک نہیں، علامہ ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو پھل توڑ لیتے ہیں، اور کسی کو کچھ نہیں دیتے، سورہ نون میں باغ والوں کا قصہ اسی کا ثبوت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۱۸۱-۱۸۲)

۹ — غریبوں مسکینوں کی پرورش کا حق :-

یہ ایک اہم اسلامی فریضہ ہے، جو رب کا نائب اور اس کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ہم پر لازم ہے، ساری مخلوقات میں سب سے اشرف ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ ہمارا احساس ایسا بیدار ہو کہ ضرورت مند کی ضرورت ہمارے دل کی ٹیس اور چبھن بن جائے۔ ہم خلیفۃ اللہ ہیں، اس لئے خدا کی طرف سے غریبوں کی حاجت روائی کے ذمہ دار ہیں۔ اور اگر یہ حاجت روائی زکوٰۃ کی مد سے ممکن ہو تو اس سے بہتر بھلا کیا ہوگا؟ لیکن اگر زکوٰۃ کی آمدنی محدود اور ناکافی ہو تو اس صورت میں لازم ہوگا کہ زکوٰۃ کے علاوہ صدقات و خیرات غریبوں پر خرچ کیا جائے، اور ان کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کی جائے۔

ترمذی میں حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا

ان فی المال حقا سوی الزکوٰۃ — مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ پھر آپ
ثم تلا ھٰذہ الآیۃ التی فی البقرۃ — نے سورہ بقرہ کی یہ آیت پڑھی،
لیس البران تولوا وجوھکم.... — سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ......

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرابتداروں، یتیموں، اور ناداروں کی کفالت بلند پایہ نیکی ہے، پھر اس کے آگے آیت میں نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیموں وغیرہ کی کفالت اور زکوٰۃ کی ادائیگی، دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور دونوں پر عمل کرنا اشد ضروری ہے۔

حسن معاشرت

اسلام میں سماج کی کفالت کے ثبوت کے لئے کسی آیت یا حدیث سے استدلال کی چنداں حاجت نہیں اس لئے کہ اس کا ثبوت روز روشن کی طرح واضح اور صاف ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کی مکی مدنی آیات اور صحیح احادیث کی بیشتر روایتیں کچھ اس طرح پر پڑھنے والے کے سامنے آتی ہیں، جن سے از خود اسلامی معاشرے کے اندر باہمی اشتراک اور تعاون، اور سماج کی کفالت کا سارا نظام منظر عام پر آجاتا ہے۔ سماجی کفالت کا حقیقی تعارف اس حدیث سے ہوتا ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا (متفق علیہ)	ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ ایک مضبوط عمارت کے اجزاء کی طرح رہنا چاہیئے جو ایکدوسرے سے جڑے ہوتے اور انکے جڑنے سے ہی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا:۔

مثل المومنین فی توادھم وتعاطفھم وتراحمھم کمثل الجسد الواحد اذا	مسلمانوں میں باہمی ہمدردی، محبت اور تعلق اس قسم کا ہونا چاہیئے، جیساکہ خود جسمانی اعضاء کو ایکدوسرے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ جب بھی

اشتکیٰ منہ عضو تداعیٰ له سائر الاعضاء بالحمی والسھر (بخاری مسلم)	کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے باقیماندہ سارے ہی اعضاء بخار کی تپش اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا:۔

المسلم اخو المسلم لایظلمہ ولا یسلمہ۔ (بخاری)	مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ وہ نہ ایکدوسرے کو ستاتے ہیں نہ ہی ذلیل کرتے ہیں۔

ذلیل نہ کرنے کا مفہوم یہی ہیکہ مسلمان دوسرے مسلمان کو مصیبت میں دربدر کی ٹھوکریں کھانے کیلئے تنہا نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اسکی دستگیری کرتا ہے ۔ نیز فرمایا: جس گھر کا ایک فرد بھی بھوکا سو رہا ہو، اس گھر کے لوگ اپنے ذمہ دار آپ ہوں گے' اللہ تعالیٰ پر انکی کوئی ذمہ داری نہیں (حاکم)
سورہ مدثر جو ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی، اسمیں قرآن پاک آخرت کا ایک منظر دکھاتا ہے۔ جہاں داہنی سمت میں مسلمان جنت کے باغوں میں آرام سے بیٹھے ہوں گے ، اور کافروں اور جھٹلانے والوں کی حالت زار ان کا موضوع بحث ہوگی۔ پس منظر یہ ہوگا کہ ان دونوں گروہ کے درمیان آگ کا پردہ حائل ہوگا ، پھر یک بیک پردہ اٹھے گا، اور کافر نڈھال ہو کر اپنی بپتا سنائیں گے۔

" ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گرد ہے، مگر داہنے طرف والے (نیک لوگ) کہ وہ بہشت کے باغوں میں (ہوں گے، اور) گنہگاروں سے پوچھتے ہوں گے کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے، وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے، اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔" (مدثر ۳۸۔ ۴۴)

کھلانے اور پلانے کی طرح اور دوسری ضرورتیں پوری کرنے سے وہ گریز کرتے تھے۔

سورۂ قلم میں اللہ تعالیٰ نے باغ والوں کا قصہ سنایا۔ انھوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ راتوں رات سارے پھل توڑ لیں گے۔ تاکہ صبحدم غریب غرباء ہمارے باغ میں آئیں تو انھیں خالی ہاتھ واپس جانا پڑے۔ خدا نے ان کے متعلق فرمایا۔

فطاف علیھا طائف من ربك	وہ ابھی سو رہے تھے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے
وھم نائمون فاصبحت کالصریم	راتوں رات ان کے باغ پر ایک آفت آ پڑی۔ اور
فتنادوا مصبحین ان اغدوا	ان کا باغ ایسا ہو گیا، جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔
علی حرثکم ان کنتم صارمین	جب صبح ہوئی تو وہ لوگ ایک دوسرے کو کہنے
فانطلقوا وھم یتخافتون ،	لگے۔ کہ اگر تمہیں توڑنا ہے تو اپنے باغ میں سویرے
ان لا یدخلنھا الیوم علیکم مسکین	ہی جا پہنچو، تب وہ چل پڑے اور آپس میں
وغدوا علی حرد قادرین فلما	چپکے چپکے کہتے جاتے تھے، کہ آج تمہارے پاس
راوھا قالوا انا لضالون بل نحن	کوئی فقیر نہ آنے پائے، اور یوں بڑی تیزی سے
محرومون قال اوسطھم الم	چل کر سویرے ہی جا پہنچے، گویا باغ کی سب چیز
اقل لکم لولا تسبحون قالوا سبحان	ان کے بس میں تھی، لیکن جب باغ کو دیکھا تو
ربنا انا کنا ظٰلمین فاقبل بعضھم	ویران، کہنے لگے ہم راستہ بھول گئے ہیں نہیں!
علی بعض یتلاومون قالوا یٰویلنا	بلکہ ہم واقعی بدقسمت ہیں۔ پھر ایک جوان میں فرزانہ
انا کنا طٰغین۔ عسیٰ ربنا ان	تھا، بولا کیا میں تم سے نہ کہا تھا۔ کہ تم تسبیح کیوں
یبدلنا خیرا منھا انا الیٰ	نہیں پڑھتے تب وہ کہنے لگے ہمارا پروردگار پاک ہے،
ربنا راغبون کذالك العذاب	بیشک ہم ہی قصوروار تھے، پھر لگے ایک دوسرے کو
ولعذاب الآخرۃ اکبر لو	ملامت کرنے پھر کہنے لگے۔ کہ بیشک ہم حد سے نکلنے والے
کانوا یعلمون (قلم، ۱۹، ۳۳)	تھے، شاید ہمارا پروردگار ہم کو اس سے اچھا باغ بدلہ میں دیدے،

ہم اپنے رب کیطرف رجوع ہوتے ہیں، ما مطرح عذاب ہوتا ہے!

اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے، کاش یہ جان لیتے!

قرآن کریم نے مسکینوں کو کھانا کھلانے اور ان کے ساتھ رعایت کرنے کی تاکید ہی نہیں کی، نہ ہی ان کے ساتھ بدسلوکی پر محض عذاب سے ڈرایا دھمکایا، بلکہ ہر مسلمان صاحب ایمان کو اس کا پابند کیا اس کو غریبوں کو حق سمجھے اور خود بھی اس حق کو انجام دے، اور دوسروں کو بھی اس کی طرف متوجہ کرے، اور انہیں بتائے کہ ان کے حقوق ادا نہ کرنا خدا کی بڑی ناشکری اور دار آخرت میں جہنم کے عذاب کا باعث ہوگی، اور سب سے بڑا عذاب یہ کہ خدا اس سے ناراض ہوگا۔

بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال پانے والوں کے بارے میں ارشاد ہے:۔

واما من اوتی کتابه بشماله فیقول یالیتنی لم اوت کتابیه ولم ادر ما حسابیه یالیتها کانت القاضیه ما اغنیٰ اعنی مالیه هلك عنی سلطانیه۔ (۲۵۔۲۹)	اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا، تو وہ کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ مجھکو میرا نامۂ اعمال ہی نہ ملتا، اور مجھ کو بھی خبر نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے کیا اچھا ہوتا کہ موت ہی خاتمہ کر چکتی، (افسوس) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میرا جاہ بھی مجھ سے گیا گذرا۔

پھر باری تعالیٰ حق وصداقت اور انصاف پر مبنی فیصلہ کرتے ہوئے فرمائے گا۔

خذوه فغلوه ثم الجحیم صلوه ثم فی سلسلة ذرعها سبعون ذراعا فاسلکوه۔ (۳۰۔۳۲)	اس شخص کو پکڑو، اور اس کو طوق پہنادو پھر دوزخ میں اس کو داخل کرو، پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر گز ہے اس کو جکڑ دو۔

اس وحشت اثر فیصلہ کے پس منظر میں وہ اسباب کیا ہیں، جس کی وجہ سے اتنا سخت حکم صادر ہوا، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

انہ کان لا یومن باللہ العظیم ولا یحض علیٰ طعام المسکین (۳۳-۳۴)

یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہ رکھتا تھا، اور (خود تو کسی کو کیا دیتا) اوروں کو بھی غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا۔

یعنی غریبوں کی حاجت برآری کے لئے نہ خود پیش قدمی کرتا تھا، نہ اپنے گرد و پیش میں کسی اور کو اس کے لئے آمادہ کرتا تھا۔ ——— سورۃ الحاقہ میں نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں پانے والے جن جہنمیوں کا ذکر ہوا، ان کے عذاب کی وجہ یہی بتائی گئی کہ انھوں نے دنیا میں رہ کر نہ خدا کے حقوق جانے، اور نہ بندوں کے حقوق پہچانے غریبوں اور مسکینوں کی خود کیا کفالت کرتے، دوسروں کو بھی اس کی ترغیب نہ دیتے تھے۔

ان دل ہلا دینے والی آیتوں کو سن کر حضرت ابو درداء نے ام درداء رضی اللہ عنہا سے کہا تھا: "سنو ام درداء! جہنم میں نہ جانے کتنے دنوں سے کچھ آہنی زنجیریں آگ میں مسلسل تپائی جا رہی ہیں۔ محض اس لئے کہ لوگوں کی گردنیں ان کے ذریعے جکڑی جائیں۔ خدا کا شکر ہے کہ خدا پر ایمان لاکر ہم ایک حد تک اس سے نجات پا گئے۔ لیکن یاد رکھو ہم پورے طور پر اس سے اسی وقت محفوظ ہوں، جبکہ ناداروں اور ضرورتمندوں کی ضرورتیں بھی ہم پوری کریں۔" (الاموال ص۳۲۲)

اس میں شک نہیں کہ قرآن حکیم سے پہلے ایسی کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی جو غریبوں کے ساتھ غفلت کو جہنم کے دائمی عذاب کا سبب قرار دیتی ہے، سورۂ ماعون میں بتایا گیا کہ یتیموں پر غصہ کرنا، اور غریبوں کو کھانا نہ کھلانا دین کو جھٹلانے والوں کی علامت ہے،

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۔ وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (ماعون - ۳)	کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ سو اگر آپ اس شخص کا حال سننا چاہیں تو سنئے کہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاجوں کو کھلانے کی دوسروں کو بھی ترغیب نہیں دیتا

سورہ فجر میں غریبوں کی حق تلفی کرنے والوں سے بڑے تیکھے انداز میں کہا گیا:-

کَلَّا بَل لَّا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ ۔ وَ لَا تَحَاضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنَ	تم نہ یتیموں کی عزت کرتے ہو نہ ہی محتاجوں کو کھلانے کی آپس میں تاکید کرتے ہو۔ الفجر، ۱۸-۱۷

ان آیات کے ذکر کئے جانے کا حاصل یہ ہے کہ جب جاہلی سماج، بائیں بازو والے اور دین کو جھٹلانے والے غریبوں کو بری طرح نظر انداز کر دیتے تھے، تو ایمان لانیوالوں اور دینداروں کا فرض لامحالہ یہ ہونا چاہیئے کہ اپنے ان بچھڑے ہوئے بھائی بندوں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔ قرآن حکیم کی آیات اسی بات کا حکم دیتی ہیں۔ اور بقول شیخ محمد عبدہ مصری، سماجی اور فلاحی اداروں کا طریقۂ کار یہی ہونا چاہیئے۔ (تفسیر جزءعم)

علامہ ابن حزم کی تحقیق

اسلاف میں علامہ ابن حزم کی شخصیت اس معنی میں ممتاز ہے کہ آپ نے اس نظریہ کی مکمل حمایت کی اور کتاب و سنت اور صحابہ و تابعین کے فتاویٰ سے اس کی تائید و توثیق کی لیکن یہ عمل قابل ذکر ہے کہ علامہ موصوف کا یہ طرز تحقیق اسی ایک مسئلے کے ساتھ خاص نہیں آپ کی ہمیشہ کی یہ عادت تھی کہ پیش آمدہ کسی مسئلے کا فوری حل عقل و قیاس سے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ براہ راست کتاب و سنت کی صراحتوں میں اس کو تلاش کرتے تھے۔ چنانچہ مذکورہ بالا مسئلے کے حل کے لئے بطور خاص آپ نے

ایک ایسا لائحہ عمل مرتب کیا جس کی مدد سے ہر بستی کے مخلص صاحب حیثیت افراد اگر ادنیٰ توجہ کریں تو بڑی آسانی سے زکوٰۃ کے علاوہ اپنی دیگر امدادی رقوم سے منظم پیمانے پر اپنی اپنی بستی کے مسلمانوں کی اس طرح اعانت کریں جس سے ان کی بنیادی اور روزمرہ کی ضرورتیں پوری ہوں۔ اور غربت و افلاس میں گرفتار آبادی ایک خوبصورت مثالی بستی میں تبدیل ہو جائے۔

آپ کا پروگرام یہ تھا:۔

۱۔ عزت اور وقار کے ساتھ زندگی گذارنے کیلئے مناسب غذا کا انتظام۔

۲۔ وقت اور موسم کے لحاظ سے موزوں لباس۔

۳۔ معقول رہائشی مکان۔ جسمیں سردی گرمی سے حفاظت اور پردے گوشے کا انتظام ہو۔

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ مالداروں پر زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور چیز فرض نہیں علامہ ابن حزم بڑی شدت سے اس کی تردید کرتے ہیں اور اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ (المحلی ص۱۵۶ ج۲، مسئلہ ۷۲۵)

زکوٰۃ کی مناسب جمع و تقسیم کے باوجود اگر بستی والوں کی ضرورت باقی رہے تو دولت مند از خود یا حاکم بجبر، مالداروں سے مزید اس قدر امداد طلب کر سکتا ہے جس سے غریبوں کی اہم اور بنیادی ضرورتوں جیسے کھانے۔ پہنے، اور رہنے سہنے کا معقول انتظام ہو۔

تائید ربانی: اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو۔ (اسراء ۲۶)

● ۔ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس بیٹھنے والے دوستوں اور مسافروں اور جو (باندی غلام) تمہارے قبضے میں ہوں۔ (نساء: ۳۶)

معلوم ہوا کہ غریبوں اور اجنبی مسافروں کی طرح غریب رشتہ داروں کا بھی حق ہے۔ اور ماں باپ، دور و نزدیک کے قرابت دار، مسکین، پڑوسی اور ماتحت

سب اس حق میں برابر کے شریک ہیں۔ مزید برآں آیت میں وارد احسان کا لفظ اپنے اندر ہمہ گیر معنیٰ رکھتا ہے جس سے ہمارے مسلک کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ احسان کے برخلاف جو عمل کرے گا اُسے بدسلوکی اور حد درجہ کی برائی سے تعبیر کیا جائے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ (مدثر ۴۲ - ۴۴)

تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا، وہ کہیں گے ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے، اور نہ غریب کو (جس کا حق واجب تھا) کھانا کھلایا کرتے تھے

اس آیت میں باری تعالیٰ نے نماز کی ادائیگی اور غرباء پروری کو ایک درجہ میں ذکر کیا۔

ارشاد نبوی !

ایک مشہور روایت میں آپ نے فرمایا :-

من لا یرحم الناس لا یرحمہ اللہ (متفق علیہ)

جس نے بندگان خدا پر رحم نہ کیا خدا اس پر بھی رحم نہیں فرمائے گا۔

اگر کسی کے پاس ضرورت سے زائد چیز موجود ہو اور کوئی سخت حاجتمند اس کے پاس آئے اور یہ اس کی امداد نہ کرے تو اس سے بڑھکر بے رحمی اور کیا ہوگی۔ عبدالرحمٰن ابن ابوبکر صدیق کہتے ہیں کہ صفہ والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ____ کے حد درجہ نادار صحابہ تھے ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام صحابہ سے کہا کرتے تھے تم میں سے جس کسی کے پاس دو آدمی کی بقدر اناج ہو اسے چاہیئے کہ ان میں سے ایک کی میزبانی کرے جس کے پاس چار آدمی کی ضرورت بھر کھانا ہو، وہ پانچ یا چھ کو لے جائے۔ (بخاری، ابن حزم)

اس روایت سے بھی مذکورہ بالا قول کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

المسلم اخوالمسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ (بخاری)

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے بے سہارا چھوڑتا ہے۔

امام ابو محمد نے کہا: کسی مسلمان بھائی کو بھوک پیاس میں نڈھال، اور ننگے بدن چھوڑ دینا اس پر ظلم و زیادتی کرنا ہے، جبکہ اسکی ضرورت پوری کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ کان معہ فضل ظہر فلیعد بہ علیٰ من لا ظہر لہ و من کان لہ فضل من زاد فلیعد بہ علیٰ من لا زاد لہ، قال فذکر من اصناف المال ما ذکر حتیٰ رائینا أنہ لا حق لأحد منا فی فضل (مسلم)

جس کے دوپہر کا کھانا بچ رہا، وہ کسی ایسے شخص کو دیدے جس کے پاس کھانا نہ ہو۔ جس کے پاس توشہ بچ رہا وہ کسی ایسے کو دیدے جس کے پاس توشہ نہ رہے، راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح قسم قسم کے احوال کا ذکر فرمایا، اور یہی فرمایا، یہاں تک کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ضرورت سے زائد مال پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔

علامہ ابو محمدؒ فرماتے ہیں:۔

"حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک عمومی اور اتفاقی حکم ہے۔"

حدیث کا یہی اسوہ اور نمونہ ہمارے لئے کافی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اطعموا الجائع وفکوا العانی — بھوکے کو کھانا کھلاؤ، اور تھکے ہارے پریشان کی مدد کرو۔ (بخاری)

اس مفہوم کی بے شمار روایتیں بطور تائید پیش کی جاسکتی ہیں۔

آثار صحابہ

حضرت ابو وائل شفیق بن سلمہؓ کہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ (کبھی حسرت کے ساتھ) کہا کرتے تھے، "(تجربے اور مشاہدے سے) جو آج مجھے معلوم ہوا، اگر پہلے سے اس کا علم ہوتا، تو میں پہلا کام یہ کرتا کہ مالداروں کا فاضل سرمایہ ان سے لیکر غریب مہاجرین میں تقسیم کردیتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

باری تعالیٰ نے ہر بستی کے مالداروں پر اس قدر امداد فرض قرار دی ہے جس سے وہاں کے غریبوں کی کفالت ہو سکے، اس کے باوجود اگر تم کسی بستی میں غریبوں کی خستہ حالی پاؤ تو سمجھ لو کہ اس بستی کے امیروں نے ان کے ساتھ حسن سلوک میں ضرور کوتاہی کی ہے، انھیں یاد رکھنا چاہیئے کہ خداوند عالم قیامت کے روز ان سے باز پرس کرے گا اور قرار واقعی سزا دے گا۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں، مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی کچھ حق ہے۔

حضرت عائشہ، حضرت حسن بن علی، اور حضرت بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے روایت ہیکہ انھوں نے ایک سائل کے جواب میں یک زبان ہوکر کہا تھا۔

اگر تمہیں مانگنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ تمہیں خون ناحق میں پھانس لیا گیا، یا تم قرض میں گرفتار ہو، یا فقر و ناداری کا شکار ہو، تو تمھارا سوال کرنا

درست ہے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور ان کے تین سو ساتھی صحابہ کے بارے میں یہ واقعہ صحیح ہے کہ جب ان کا توشہ ختم ہوا، تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بچا کھچا ایک توشہ دان میں جمع کرنے کا حکم فرمایا۔ ساتھیوں نے یہی کیا، پھر روزانہ ہر ساتھی کو برابر برابر تقسیم فرماتے۔ امیر قافلہ کے اس فیصلہ پر صحابہ نے اتفاق کیا، جو اس کے اجماع ہونے کی دلیل ہے۔

امام شعبیؒ، مجاہد، طاؤس، اور ان کے علاوہ دیگر کبار علماء اس کے قائل تھے کہ "مال میں زکواۃ کے علاوہ بھی کچھ حق ہے۔"

علامہ ابومحمد کہتے ہیں :۔

"جہاں تک ہمیں معلوم ہے، ضحاک ابن مزاحم کے سوا کسی اور نے اس متفقہ فیصلہ سے اختلاف نہیں کیا ــــ انھوں نے البتہ کہا ہے کہ : زکوٰۃ نے مال کے اندر عائد کئے گئے دیگر حقوق کو منسوخ کر دیا ہے ــ علامہ موصوف کہتے ہیں، رہے ضحاک بن مزاحم، تو ان کے بارے میں عام رائے یہ ہے کہ ان کا قول تو درکنار، ان کی روایت بھی ناقابلِ اعتبار ہے۔

علاوہ ازیں انھوں نے خود پہلے اس مسئلہ کی تائید کی، اور کہا کہ " مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں، جیسے محتاج ماں باپ کا نفقہ، بیوی کا نفقہ، غلام اور جانوروں کے اخراجات، قرض اور تاوان کی ادائگی وغیرہ (جیسے دیت، خون بہا، اور نقصان عیب وغیرہ)

اس طرح مسئلہ کی پہلے تائید، پھر بعد میں اختلاف سے ان کا دعویٰ خود بخود کمزور ہوجاتا ہے۔

باب ہشتم

چھٹا ذریعہ صدقہ و خیرات

- اوقاف
- ایک قدیم وقف
- خلاصہ

چھٹا ذریعہ

صدقہ وخیرات

غریبوں کے حقوق کو آئینی حیثیت عطا کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کی شروع سے یہ کوشش رہی ہے کہ انسان خصوصاً مسلمان کے اندر خیر خواہی اور سخاوت کا ایسا جذبہ پیدا کیا جائے کہ وہ مطالبہ سے کچھ زیادہ ہی دینے کا رجحان رکھتا ہو بلکہ اس کا عزم اس قدر جواں ہو کہ بغیر طلب کئے اس کے اندر دینے کا جذبہ موجزن ہو، خوشی ہو یا غم، اس کی داد و دہش میں کوئی فرق نہ آتا ہو، وقت بے وقت وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتا ہو، اگرچہ خود سخت ضرورت میں گھرا ہو، اس کی نظروں میں دولت وسیلہ اور ذریعہ ہو، منزل اور انتہا نہ ہو۔ پھر یہ سب اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہو، نہ اُسے عزت و مرتبہ کی لالچ ہو، نہ ہی داد و دہش کی کوئی پرواہ ہو۔

ہمارے اردگرد کچھ لوگ ایسے ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ قانون کے ڈنڈے کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کا خیال غلط ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ درحقیقت انھوں نے انسان کو سمجھا نہیں۔ اس لئے کہ انسان کوئی لٹو ہرگز نہیں، جو گھمانے سے گھومنے لگے، یا ایسا کھلونا نہیں، جو چابی دینے سے حرکت کرے، ورنہ چپ چاپ کھڑا رہے۔ دراصل انسان کائنات بسیطہ کا سب سے پیچیدہ پرزہ ہے، جس کے اجزائے ترکیبی میں جسم اور روح، عقل اور شعور، جذبات اور احساسات سبھی کا حسین امتزاج ہوتا ہے۔ اب ان اوصاف سے متصف شئی کو مدنظر رکھکر یقیناً یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہر پہلو سے انسان پر اثر ڈالا جائے۔ اس کے ضمیر اور اس کی خفتہ اخلاقی قدروں کو جھنجھوڑا

جائے، نہ یہ کہ قانون کے ڈنڈے سے محض اس کی گوشمالی کی جاوے۔

اسلام جیسے عالمگیر مذہب کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ قانونی ذرائع کو اس کا مقام عطا کرتے ہوئے اخلاقی قدروں کو اجاگر کرتا، اس لئے کہ یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ بلا شبہ سماج میں اشتراک و تعاون کا جذبہ محض قانون بنادینے سے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کی اخلاقی اور انسانی ذمہ داری اس کو یاد دلائی جائے، اسے یاد دلایا جائے کہ خیر خواہی اور باہمی ہمدردی وہ جوہر ہے جسے اپنا کر بندہ خدا کی مرضی اور جنت میں انبیاء و صالحین کی ہم نشینی کا شرف حاصل کر سکے گا۔ اور مادی فائدہ یہ ہوگا کہ تنگ دستی اور ناداری کی لعنت سے دنیا پاک ہو سکے گی۔

قرآن پاک نے جن امور کو خاص طور پر اپنا موضوع قرار دیا، اور بار بار جن کی تاکید کی، ان میں سے ایک خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے یہ بارہا ہوا کہ قرآن پاک نے اس کی تلقین کی، اور حرص و بخل سے ڈرایا اور دھمکایا۔ پھر انتہائی خوبی اور صفائی کے ساتھ بلیغ ادبی پیرائے میں دلکش اور مؤثر تمثیلیں پیش کیں۔ جن سے سخت دلوں میں رقت اور بند مٹھیوں میں حرکت پیدا ہو، اور داد و دہش کی راہیں خود بخود کھل جائیں۔ ہم یہاں اس قسم کی صرف ایک آیت پر اکتفا کرتے ہیں

قرآن پاک میں ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ جس سے سات بالیاں اگتی ہیں، ہر بالی میں سینکڑوں دانے ہوتے ہیں۔ اور خدا جسے چاہتا ہے، مزید عطا کرتا ہے

واسع علیم۔ الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

(بقرہ ۲۶۱-۲۶۲)

اور اللہ بڑی وسعت اور بڑا جاننے والا ہے، جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنیکے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں، اور نہ ستاتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے اعمال کا ثواب انکے پروردگار کی طرف سے ملیگا، اور قیامت کے دن نہ انکو خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

● ـ من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضاعفہ لہ اضعافا کثیرۃ واللہ یقبض ویبسط والیہ ترجعون۔

(بقرہ - ۲۴۵)

● ـ ہے کوئی ایسا جو اللہ کو اچھے طریقے سے قرض دے، پھر اللہ اس کے مال کو کئی گنا بڑھادے، اور اللہ روزی کو تنگ کرتا اور وہی کشادہ کرتا ہے، اور تم سب اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔

● ـ الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا وعلانیۃ فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ (بقرہ - ۲۷۴)

● ـ جو لوگ اپنا مال (اللہ کی راہ میں) رات اور دن، پوشیدہ اور ظاہر طور پر خرچ کرتے ہیں، تو ان کا ثواب ان کے پروردگار کے پاس ملے گا، اور ان کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

● ـ وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السموٰت والارض اعدت للمتقین الذین ینفقون فی

● ـ اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنّت کی طرف لپکو جسکا پھیلاؤ آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ یہ ان پرہیزگاروں کیلئے تیار کی گئی ہے جو خوشحالی اور تنگی میں (اپنا مال اللہ کی راہ میں)

السراء والضراء (آل عمران ۔۱۳۲۔۱۳۴)

خرچ کرتے ہیں ۔

●۔ قل ان ربی یبسط الرزق لمن یشاء من عباده ویقدر له وما انفقتم من شئ فهو یخلفه وهو خیر الرازقین (سبا : ۳۹)

●۔ (اے پیغمبران سے) کہدو کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے، روزی کشادہ کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، اور تم جو خرچ کرتے ہو وہ اسکا عوض دیتا ہے، اور وہ بہتر رزق دینے والا ہے۔

●۔ آمنوا بالله ورسوله وانفقوا مما جعلكم مستخلفین فیه فالذین آمنوا منكم وانفقوا لهم اجر كبیر۔ (حدید : ۷)

●۔ اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ، اور جس مال میں اس نے تم کو جانشین بنایا ہے اسمیں سے خرچ کرو، جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور مال خرچ کرتے رہے، ان کے لیے بڑا ثواب ہے ۔

●۔ ویؤثرون علی انفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن یوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون (حشر : ۹)

●۔ اور ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ خود ان کو فاقہ ہو۔ اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں ۔

●۔ وانفقوا مما رزقناكم من قبل ان یاتی احدكم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واكن من الصالحین۔ (منفقون۔ ۱۰)

●۔ اور جو مال ہم نے تمکو دیا ہے، اسمیں سے پہلے خرچ کرلو، کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور اس وقت حسرت سے کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھے اور تھوڑی سی مہلت کیوں نہ دی۔ تاکہ میں خیرات کرلیتا، اور نیک بندوں میں سے ہوجاتا۔

●۔ وما تقدموا لانفسكم من خیر تجدوه عند الله

●۔ اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے یہاں پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤگے۔

هو خيرا وأعظم أجرا (مزمل : ۲۰)

اور اللہ سے بخشش مانگتے رہو، بلاشبہ اللہ بخشنے والا (اور) بڑا مہربان ہے۔

● ـ ويطعمون الطعام على حبه مسكينا ويتيما وأسيرا انما نطعمكم لوجه الله لا نريد منكم جزاء ولا شكورا انا نخاف من ربنا يوما عبوسا قمطريرا۔ (دھر ۸-۱۰)

یہ لوگ محض اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں) ہم تم کو خالص اللہ کے لئے کھلاتے ہیں، نہ تم سے عوض کے خواستگار ہیں۔ اور نہ شکر گذاری کے، ہم کو اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر ہے جو نہایت اداس اور بہت سخت ہو گا۔

● ـ فلا اقتحم العقبة وما ادراك ما العقبة فك رقبة أو اطعام في يوم ذي مسغبة، يتيما ذامقربة أو مسكينا ذا متربة ثم كان من الذين آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة اولئك أصحب الميمنة (البلد ۱۱-۱۸)

● ـ تو وہ دین کی گھاٹی سے ہو کر نہ گذرا، اور تم کو کچھ معلوم ہے کہ گھاٹی کیا ہے، (گھاٹی سے مراد یہ ہے کہ) کسی کی گردن کا (غلامی یا قرض کے پھندے سے) چھڑانا، یا بھوک کے دن رشتہ دار یتیم کو یا خاک نشین محتاج کو کھانا کھلانا (اس کو چاہئے تھا کہ یہ کام اختیار کرتا) اور پھر ان لوگوں میں سے ہوتا جو ایمان لائے، اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت دیتے رہے، اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی نصیحت کرتے رہے، یہی لوگ مبارک (اور خوش نصیب) ہیں۔

قرآن پاک کی طرح سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے فرمودات میں اس موضوع کو اہمیت دی،

آپ نے فرمایا:

یقول العبد مالی مالی وانما له من ماله ثلاث، ما اکل فافنی اولبس فابلی، او اعطی فاقنی وما سوی ذلك فھو ذاھب وتارکہ للناس (مسلم)	"آدمی کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ اسکا مال بس وہی ہے، جو اسکے پیٹ میں گیا، اور ہضم ہو گیا۔ یا جسے اسنے پہن لیا اور وہ بوسیدہ ہو گیا، یا پھر اسنے خدا کی راہ میں کچھ خیرات کی، اور وہ اس کیلئے آخرت میں ذخیرہ بنگئی، ورنہ یاد رکھو، اسکے علاوہ

ساری دولت یا تو ہاتھ سے نکل جائیگی، یا وہ خود اس دار فانی سے کوچ کر جائیگا اور اس کے مال پر اس کے ورثہ قبضہ کرلیں گے۔"

آپ نے فرمایا،

مامنکم من احدٍ الا سیکلمہ اللہ لیس بینہ و بینہ ترجمان فینظر ایمن منہ، فلا یری الا ما قدم، فینظر اشأم منہ فلا یری الا ما قدم، فینظر بین یدیہ فلا یری الا النار تلقاء وجھہ، فاتقوا النار و	قیامت کے دن تم میں سے ہر کوئی خدا سے اسطرح ہمکلام ہوگا کہ اسکے اور خدا کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا، اسدن جب وہ اپنے دائیں بائیں دیکھے گا تو حد نظر تک اپنے اعمال اسے نظر آئینگے جو اسدن کیلئے اسنے کئے تھے، اسکے سامنے جہنم دہکتی ہوگی بس اسی جہنم سے بچنے کی کوشش کرو، جس کی آسان سی تدبیر یہ ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ

ولو لشق تمرۃ (بخاری، مسلم) کرو، خواہ آدھی کھجور ہی کیوں نہ دے سکو۔

شق تمرۃ :۔ نصف کھجور کو کہتے ہیں، یعنی جتنا میسّر ہو، خواہ کم سے کم ہو، خیرات کر دو۔

آپ نے یہ فرمایا :۔

"تم میں سے کوئی ہے جسے اپنا مال اپنے وارث کے مال سے کہیں زیادہ پسند ہو؟ صحابہ نے عرض کیا، حضور! ہمیں تو اپنا ہی مال پسند ہے، آپ نے فرمایا (تو جان لو کہ) آدمی کا اپنا مال وہ ہے جو اس نے آگے کے لئے روانہ کر دیا، اور جو رہ گیا وہ اس کے ورثہ کا ہوا۔" (بخاری، نسائی، راوی، ابن مسعودؓ)

نیز فرمایا :۔

"جس نے حلال کمائی سے (خواہ) ایک کھجور (یا اس کی قیمت) خیرات کی۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ حلال اور پاکیزہ کمائی کو ہی پسند کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے دستِ خاص سے اسکو قبول کرتا ہے۔ اور اس شخص کی خاطر اسکی اس طرح پرورش کرتا ہے جیسے کوئی پہلے پہل پیدا ہونے والے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے، یہانتک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

خیرات لغزشوں کو اس طرح زائل کر دیتی ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ (ابو یعلی)

آپ نے یہ بھی فرمایا: (قیامت کے دن) ہر کوئی اپنی خیرات کے سائے میں ہوگا، تاآنکہ فیصلہ ہو جائے (احمد ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم)

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا :۔

سو درہم لاکھ درہم سے بڑھ گیا! ایک شخص نے عرض کیا، حضور یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک شخص بڑا دولت مند ہے، اس نے کثیر مال سے ایک درہم نکال کر خیرات کر دیا،

دوسرے شخص کے پاس فقط دو درہم ہیں، اس نے ایک، اللہ کی راہ میں خیرات کردیا (یہ ایک درہم اسی لاکھ درہم سے بڑھ گیا)۔ (نسائی، بن خزیمہ، ابن حبان، حاکم

لیکن ہمارے قارئین اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں پر ان آیات اور احادیث کا اثر بس معمولی سا رہا، پھر ان کی زندگی اسی نہج پر گذر گئی، جو پہلے سے چلی آ رہی تھی، اس غلط فہمی کے ازالے کے لئے اسلامی تاریخ کے چند واقعات یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔ جن سے بخوبی اندازہ ہوگا کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا جذبہ صحابہ کے دلوں میں کس قدر موجزن تھا۔

مفسرین نے عبداللہؓ بن مسعود سے روایت کی ہے، کہ جب "مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ" کی آیت نازل ہوئی، تو ابو دحداح انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا ہم سے خدا قرض طلب کرتا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا، ہاں، ابو دحداحؓ نے کہا، خدا کی قسم، مجھے اپنا دست مبارک دکھائیے۔ آپ نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ انھوں نے دست مبارک تھام کر کہا، میں نے اپنا باغ خدا کے حوالے کیا۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ان کا یہ باغ کھجور کے چھ سو درختوں پر مشتمل تھا، ان کے بیوی بچے اسی باغ میں رہا کرتے تھے، جب ابو دحداح حضور کی مجلس سے اٹھکر باغ میں پہنچے، تو دور سے آواز دی، ام دحداح! اندر سے بیوی نے کہا، میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا، باغ خالی کردو، میں نے اسے خداوند عالم کو سونپ دیا ہے!! (ابن کثیر ص ۲۹۹ ج ۱)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔ ابوطلحہ انصاری کا باغ مدینہ کا سب سے بڑا باغ تھا، اس کا نام بیرحاء تھا، وہ انھیں بڑا محبوب تھا، مسجد نبوی کے قریب تھا، پانی بھی نہایت شیریں اور افراط تھا۔ جب قرآن پاک کی آیت لن تنالوا البر الخ

.....نازل ہوئی، تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا. خدا کا ارشاد ہے کہ محبوب مال اللہ کے راستے میں خرچ کرو، اس لئے میں بیرحاء آپ کے حوالے کرتا ہوں آپ جیسا مناسب سمجھیں اس کے موافق اس کو خرچ فرمائیں، حضور نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا، اور فرمایا کہ بہت عمدہ مال ہے میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اسے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں میں بانٹ دو چنانچہ ابو طلحہ نے یہی کیا۔ اور اپنے رشتہ داروں میں اسے تقسیم کر دیا۔ (ابن کثیر پ ۱ ص ۳۸۱)

یہ اور اس طرح کی بیش بہا اور گراں قدر خیرات و صدقات اسلام کے ہر دور میں خدا ترس مسلمان کرتے رہے۔ بلا شبہ انھوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ خدا اور رسول، اور ان کی خوشنودی کے مقابلے میں سونے چاندی کے ڈھیر اور دنیا کی ہر چیز ان کی نظر میں ہیچ ہے۔

امام لیث بن سعدؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ ہزار دینار روزانہ کی آمدنی تھی، اس کے باوجود ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہوتی تھی. جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس جو آتا سب خیرات کر دیتے، اور کچھ باقی نہ چھوڑتے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی! ــ یہ بھی روایت ہے کہ روزانہ صبح تین سو ساٹھ فقیروں کو خیرات دیتے پھر کوئی کام کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عورت نے ان سے تھوڑی سی شہد مانگی انھوں نے ایک مشکیزہ شہد اُسے عطا کر دی، کسی نے کہا، اس کے لئے تھوڑی سی شہد کافی تھی، آپ نے جواب دیا، اس نے اپنی ضرورت کے مطابق مانگا۔ ہم نے توفیق الٰہی دیا حضرت ابن عمرؓ ہر فقیر کو خیرات دیتے، اعتراض کئے جانے پر فرمایا، خدا نے مجھے دینے کی اور لوگوں کو مجھ سے لینے کی عادت دے رکھی ہے، مجھے ڈر ہے کہ میں باز آیا تو خدا بھی دینے سے باز آئیگا۔

<u>اوقاف</u>:- ایک اور صدقہ، جس کی طرف اسلام نے بیحد توجہ دلائی، اوقاف یا صدقہ

جاریہ کہلاتا ہے۔ صدقہ جاریہ کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ صدقہ کرنے والے کی وفات کے بعد بھی اس صدقہ کا ثواب اسے ہمیشہ کے لئے ملا کرتا ہے۔ اور یہ سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاثة اشياء صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا، جب آدمی مرجاتا ہے۔ تو اسکے تمام اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے البتہ تین اعمال کا سلسلہ مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا ۱۔ صدقہ جاریہ، ۲۔ علم، جس سے بعد والے فائدہ اٹھائیں، ۳۔ صالح اولاد، جو اسکے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر کو خیبر کی ایک زمین حصہ میں ملی، تو خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! ابتک خدا نے مجھے جو کچھ دیا اس میں خیبر کی یہ زمین مجھے بیحد پسند آئی، میں چاہتا ہوں کی اسے خدا کی راہ میں خیرات کر دوں، بتائیے میں کس طرح کروں، آپ نے فرمایا، چاہو تو اصل زمین اپنے قبضہ میں رہنے دو، اور اس کی آمدنی خیرات کرتے رہو۔ حضرت عمر نے یہی کیا، اور زمین کو غریبوں، مسافروں، اور ناداروں کے لئے وقف کر دیا

اوقاف کا یہ ایک نمونہ جسے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا۔ اس میں شک نہیں کہ آئندہ چلکر ہر دور میں غریب مسلمانوں کے لئے حد درجہ نفع رساں رہا۔ اور ملک وملت کے بڑے بڑے کام ان سے نکلتے رہے۔ امت کے اہل خیر حضرات کی بھی بیدار مغزی تھی کہ انھوں نے اوقاف کی طرف خصوصی توجہ دی، یہاں تک کہ

ہمارے اسلاف کی تاریخ بتاتی ہے کہ انھوں نے اوقاف کی فاضل آمدنی سے بیمار جانوروں اور آوارہ کتوں کی بھی خوراک کا بندوبست کیا، غور کرنا چاہیئے کہ بے زبان جانوروں کے ساتھ جب ان کا برتاؤ یہ تھا تو انسانوں کے ساتھ ان کا برتاؤ کیا رہا ہوگا جو بہرحال اشرف المخلوقات ہیں۔

ایک قدیم وقف

ذیل میں ہم ایک تاریخی دستاویز کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں اس کا تعلق اس زمانے سے ہے جب مصر پر خاندانِ غلاماں کی حکومت تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ۱۲۵۰ء میں قاہرہ کے تخت پر الملک المنصور قلاوون کی حکومت تھی جس نے آخری صلیبی معرکوں میں عیسائیوں کو شکست دی تھی، اور ان کے قبضے میں جو قلعے رہ گئے تھے، انھیں بھی چھین لیا تھا۔ وقت کے ایک صاحب خیر اور اہل ثروت مسلمان نے بادشاہ وقت کے نام پر ایک دواخانہ قائم کیا، اس وسیع تر دواخانے کی بنیاد ۱۲۸۴ء میں سلطان قلاوون نے اپنے ہاتھوں سے رکھی۔ اور ۱۲۹۳ء میں اس کے بیٹے سلطان ناصر کے زمانے میں اس کی تکمیل ہوئی۔ (بحوالہ الیس من الاسلام صد ۲۴-۲۵)

مذکورہ بالا دستاویز اسی دواخانے سے متعلق ہے۔ اس میں وقف کنندہ نے اوقاف سے متعلق تفصیل اور اس کا طریق کار مفصل ذکر کیا۔ دستاویز کا ایک ٹکڑا حسب ذیل ہے:

● ــــ یہ دواخانہ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے قائم کیا گیا ہے قاہرہ اور اس کے مضافات میں آباد سرمایہ دار اور نادار ہر کوئی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

● ــــ دواخانہ کا افسر اعلیٰ اس بات کا مجاز ہوگا کہ اوقاف کی آمدنی سے بیماروں کے لئے چارپائی اور آرام دہ بستروں کا معقول انتظام کرے۔

● — اس دواخانے کا ایک نجی باورچی خانہ ہوگا، جس میں مریضوں کے پرہیزی یا ضروری غذائیں جیسے مرغ و ماہی، یا چوزوں اور پرندوں کا گوشت وغیرہ پکوانے کا مکمل انتظام ہوگا۔

● — ہر بیمار کے لئے حسب ضرورت برتن وغیرہ علیحدہ علیحدہ مہیا کئے جائیں گے اس لئے ایک کا برتن کسی دوسرے کو برائے استعمال نہیں دیا جائے گا۔

● — ناظر کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ مصارف کی پرواہ کئے بغیر ایسے قابل مسلمان اطبا کا تقرر کرے۔ جو پوری عرق ریزی اور خیر خواہی کے جذبہ سے ہر مریض کا اطمینان بخش علاج کریں۔ اور صبح و شام دونوں وقت ان کا معائنہ کرتے رہیں۔ اور ان کے سرہانے آویزاں رجسٹر پر ان کا نام۔ عمر۔ بیماری۔ مجوزہ دوائیں، اور پرہیز تحریر کرتے رہیں۔

● — اطباء کے لئے ضروری ہوگا کہ ان میں سے کوئی ایک۔ یا ایک سے زائد، روزانہ رات دواخانے میں بسر کریں۔ اور مریضوں کی خاطر خواہ نگرانی کریں۔

— اور اپنی کسی خدمت، یا دواخانے سے دی گئی کسی دوا یا غذا کا معاوضہ، کسی مریض سے، کسی حال میں قبول نہ کریں۔

● — دواخانے میں برسر خدمت ہر فرد کے لئے لازم ہے کہ اپنے دل میں خدا کا خوف اور خدمت خلق کا سچا جذبہ پیدا کرے۔ اور یہ یاد رکھے کہ اپنے فرائض میں کسی قسم کی کوتاہی اگر اس نے کی، تو خدا کے سامنے اسے جواب دینا ہوگا۔

غور کرنا چاہیئے کہ یہ دستاویز اسلام کے عہد زریں سے بہت بعد کے اس دور سے تعلق رکھتی ہے۔ جسے عام طور پر مسلمانوں کی زبوں حالی اور پستی کا زمانہ سمجھا جاتا ہے

خلاصہ

یہ چھ تدابیر جن کا تفصیلی ذکر گذشتہ صفحات میں کیا گیا۔ اسلام کی نظر میں غربی کا مکمل علاج ہیں۔ مزید آسانی اور اختصار کے لئے ہم انھیں تین بنیادی وسائل کے طور پر ذیل میں درج کرتے ہیں۔

٭ پہلا ذریعہ

اس تدبیر کا تمام تر تعلق ہر غریب آدمی کی ذات سے ہے۔ غریبوں کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کر کے انھیں اس کا پابند کیا جاتا ہے کہ اگر ان کے اندر صلاحیت ہو، اور کام کے مواقع انھیں حاصل ہوں، تو انھیں حرکت و عمل سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ نیز مقامی حاکم، یا اس کے گرد موجود سماج کے سرکردہ افراد کو یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ ہر ایسے فرد کو سہارا دیں، اور مالی تعاون، یا مناسب تربیت کی ضرورت ہو تو اس کی فراہمی میں غفلت سے کام نہ لیں۔

٭ دوسرا ذریعہ

اس کے مخاطب اسلامی معاشرہ اور اس کے سرکردہ مسلم افراد ہیں، جو غریبوں کی امداد اور ان کے ساتھ تعاون کو فرض جان کر کرتے ہیں، اور اس امید پر کہ آخرت میں باری تعالیٰ اجر و ثواب سے نوازے گا۔ تعاون اور امداد باہمی کی مختلف تدابیر کو از خود تلاش کیا کرتے ہیں۔ ان کے لئے تعاون کی بعض صورتیں یہ ہیں۔

(الف) قرابت داروں کے لئے وظائف۔

(ب) پڑوسیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ خصوصی برتاؤ۔

(ج) اسلامی حکومت قائم نہ ہونے کی صورت میں از خود زکوٰۃ کی جمع و تقسیم۔

(د) زکوٰۃ کے علاوہ دیگر حقوق جیسے: کفارات، نذر، ہنگامی امداد، محتاجوں

کی اعانت ، وغیرہ ۔

(۵) صدقات وخیرات ، صدقہ جاریہ ، اوقاف ۔

٭ ـــــ تیسرا ذریعہ

اس ذریعہ کے مخاطب دراصل مسلم حکمراں ، یا اسلامی حکومتیں ہیں ، انھیں یہ یاد دلایا جاتا ہے کہ نادار بے سہارا ، اور بے روزگار افراد خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم ان کی ہمہ قسم کی دستگیری اور اعانت ان کا فرض منصبی ہے ۔

اس شیعبے میں آمدنی کے ذرائع حسب ذیل ہوں گے ۔

(الف) زکوٰۃ ، بیت المال کی آمدنی کا اہم ترین ذریعہ ، جو اسلامی نقطہ نظر سے غریبی کے ازالے کا سب سے طاقت ور ذریعہ ہے ۔

(ب) مالیات کے دیگر مقررہ ذرائع ۔ جیسے مال غنیمت کا پانچواں حصہ ۔ فے (وہ زمین یا جائداد جو غیر مسلموں سے جنگ کئے بغیر حاصل ہو) خراج ، جزیہ گمشدہ اسباب ، لاوارث کا ترکہ ، حکومت کی مملوکہ آراضی وغیرہ ۔

(ج) ہنگامی ذرائع ، کسی ناگہانی مصیبت کے وقت ، زکوٰۃ اور دیگر آمدنی سے غریبوں کی امداد نہ ہونے کی صورت میں مالداروں سے مزید وصول ۔

باب نہم

- غریبی ہٹاؤ کی بنیادی شرط
- اسلامی ماحول کیوں ؟
- اسلامی نظام پیداوار کو بڑھاتا اور غریبی کو کم کرتا ہے۔
- ناقابلِ شکست نظام
- اسلام میں غریب طبقہ کا وجود نہیں ،
- عزتِ نفس کی حفاظت
- غریبی کا خاتمہ

باب نہم

غربی ہٹاؤ کی بنیادی شرط

بلا شبہہ یہ وسائل جنھیں ابتک پیش کیا گیا اسلام کی نظر میں غربی کا علاج ہیں۔ اسلام ان کے سہارے غریبوں کی کفالت، ان کی بنیادی ضروریات کی تکمیل، اور ان کی عزت نفس کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔ لیکن اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ ان وسائل سے خاطر خواہ نتیجہ اس وقت بر آمد ہو گا، یا دوسرے لفظوں میں یہ ذریعے اس وقت موثر ہوں گے جب ایک اسلامی حکومت قائم ہو، اور ملک کے طول و عرض میں بسنے والے لوگوں پر، ان کی معاشرتی، اقتصادی، ثقافتی، سیاسی، اور علمی غرض ساری زندگی اسلامی دستور اور صرف اسلامی دستور کی چھاپ نمایاں ہو۔ یہ اس لئے کہ آپ خود سوچیئے کیا کسی ایسے معاشرے میں اسلام کے ان اصولوں سے غربی کا انسداد ممکن ہے، جس کے جملہ شعبوں پر ایک ایسا انوکھا نظام مسلط ہو، جو یا تو سارا کا سارا باہر سے درآمد کیا گیا ہو۔ یا جس میں ادھر ادھر سے کچھ اصول اور ضابطے لیکر ان میں اسلامی احکام کا پیوند لگا دیا جائے، اور جب تدبیر کار گر نہ ہو، تو ناکامی کی تمامتر ذمہ داری اسلام کے سر منڈھ دی جائے۔ غور کرنا چاہیئے کہ اس الٹی منطق کو کیا عقل سلیم گوارہ کرتی ہے یا حق اور انصاف کی رو سے یہ پیوندکاری درست ہو سکتی ہے۔

اسلام کا سماجی اور معاشرتی نظام دراصل زنجیر کی کڑیوں کی طرح باہم مربوط ہے اس کے بعض گوشے براہ راست یا بالواسطہ اس قدر اہم ہیں کہ انھیں نظرانداز کیا

جا سکتا ہے ، اور نہ غیر اہم سمجھ کر ان کے مقابلے میں دوسرے کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے مسلمانوں کو بار بار تاکید فرمائی ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (بقرہ ۔ ۲۰۸)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

آیت کا پس منظر مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کا طرز نہ اپنائیں جو چاہتے تھے کہ نئے دین کو قبول کریں ، لیکن اپنے قدیم آبائی عقائد کو بھی برقرار رکھیں۔ یہ اس لئے کہ اسلام نہ اس پیوند کاری کو پسند کرتا ہے ، نہ ہی ایسا ملا جلا نظام کسی مرض کے ازالے کے لئے سود مند اور مفید ثابت ہو سکتا ہے ۔

اسلامی ماحول کیوں ؟

دیکھنا چاہیئے کہ غریبی ہٹاؤ کا پروگرام اسلامی نظام اور اسلامی طرز زندگی کو کیوں چاہتا ہے ؟ مثال کے طور پر سب سے پہلے اس بات کو لیجئے کہ اسلام غریبی کے خلاف جنگ کے لئے محنت مشقت اور حرکت و عمل کو بنیادی ہتھیار قرار دیتا ہے ۔ لیکن اگر ایک شخص ناجائز اور غلط پیشہ اپنا کر اپنی تمام تر توانائی اس میں صرف کرے ، تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا یہ عمل صحیح ہے ؟

ایک دوسرے شخص کو لیجئے وہ کوئی حرام کام نہیں کرتا ، اس کی روزی پاکیزہ ہے اور خود بھی بڑی محنت کرتا ہے ۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کا مالک اسے کم اجرت دیتا ہے ، ٹال مٹول کرتا ہے ، یا آئے دن اسے تنگ کرتا ہے ۔ کیا مالک کا یہ رویہ قابل تعریف ہے ۔؟

اس مالک کو چھوڑیئے ! دوسرے کو لیجئے ، جو اپنے مزدور کو بر وقت پوری اجرت دیتا ہے مگر مزدور کی روش یہ ہے کہ وہ آمدنی سے زیادہ فضول خرچی کرتا ہے

اور آمدنی کا بڑا حصہ بیڑی، سگریٹ، سینما، قوالی اور رقص وسرود جیسی خرافات میں صرف کرتا ہے۔ جبکہ اس کے گھر میں فاقہ کی نوبت آتی ہے۔ کیا یہ مزدور داد کے لائق ہے؟

یا اسے بھی چھوڑیئے! مزدور یہ کچھ نہیں کرتا، لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ وہ جس سماج میں سانس لے رہا ہے۔ وہاں چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، حد سے زیادہ نفع خوری اور کمر توڑ گرانی ہے، سود دیئے بغیر اسے کوئی قرض نہیں دیتا، اور رشوت کے بغیر اس کا کوئی کام پورا نہیں ہوتا، اور اگر وہ عاجز اور درماندہ ہوکر قرض بھی لیتا ہے، تو لاکھ کوشش کے باوجود وہ اسے لوٹا نہیں سکتا۔ بتلائیے اب وہ کیا کرے؟

یہ اور اس قسم کی سینکڑوں مشکلات سے یہ احساس تیز ہوتا ہے کہ اگر ماحول غیر اسلامی ہو۔ یا حکومت غیر اسلامی ہو، تو محنت مشقت خواہ کسی قدر ہو، سب بیکار ہے۔ لیکن اگر ماحول اسلامی اور حکومت بھی اسلامی ہو تو مزدور کی حیثیت کچھ اس طرح کی ہوگی۔

۱ ـــ اسلامی حکومت ہر فرد کے لئے روزگار فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ پیداوار میں مزید اضافے کے لئے مناسب تربیت اور ٹریننگ کا بندوبست کرے گی۔

۲ ـــ مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے ہر شخص کو وہ کام سپرد ہوگا جو اس کی طبیعت کے عین مطابق ہوگا، تاکہ پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہو۔

۳ ـــ ایسے آلات فراہم کئے جائیں گے، جس سے وقت اور محنت کی بچت کے ساتھ ساتھ صنعت وحرفت میں ترقی ممکن ہوسکے گی۔

۴ ـــ ہر شخص کو اس کی صلاحیت، محنت، اور ضرورت کے مطابق اجرت دی جائے گی، اور اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس تک پہنچادی جائے گی۔

۵ ــــ تنخواہ ناکافی ہونے کی صورت میں بیت المال کی جانب سے اس کی باقیماندہ ضروریات کی کفالت کی جائے گی ۔

۶ ــــ ناگہانی آفت یا مصیبت آن پڑنے کی صورت میں زکوٰۃ کے محفوظ سرمائے سے اس کی امداد اور دستگیری کی جائے گی ۔

۷ ــــ علاوہ ازیں اسے جتلایا جائے گا کہ اسلامی ماحول میں شراب وشباب رقص وسرود اور عیاشی وفضول خرچی کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے ۔ اس لئے کہ اس سے گھر ویران اور زندگی اجیرن بن جاتی ہے ۔

اور اگر مکمل اسلامی حکومت کے تسلط کی بجائے ۔ تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کرلیا جائے کہ آج کی کوئی نام کی مسلم حکومت ، زکوٰۃ کے نظام کو جاری کرنا چاہے تو ہماری نظر میں اس کے جو اثرات مرتب ہوں گے ۔ وہ کچھ اس قسم کے ہوں گے ۔

● ــــ حکومت وقت کو لوگ زکوٰۃ نہ دیں گے ، اس لئے کہ وہ نا اہل ہوگی ، یا وہ پہلے ہی سر سے پیر تک مختلف ٹیکسوں کے بوجھ سے دبے ہوں گے ۔

● ــــ عام مسلم رعایا زکوٰۃ دینے کی اہل نہ ہوگی ، اس لئے کہ دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی وہ بھی لہو ولعب میں محو ، اور اسراف وفضول خرچی میں غرق ہوگی ۔ نتیجے میں نہ انھیں زکوٰۃ جیسے اہم فریضے کا احساس ہوگا ، نہ ہی بقدر نصاب سرمایہ ان کے پاس موجود ہوگا ۔

● ــــ بمشکل تمام اگر حکومت نے زکوٰۃ فراہم بھی کیا ، تو اس کا بڑا حصہ دفتری ٹیم ٹام ، اور آئے دن کی کاک ٹیل ، اور ٹی پارٹیوں پر صرف ہوگا ۔ اور لا متناہی دفتری کارروائیوں کے بعد کہیں کسی شخص کا کچھ بھلا ہوگا ۔

● ــــ زکوٰۃ کی تقسیم کے وقت یہ شکایت عام ہوگی کہ مستحق محروم رہے اور

غیر مستحق سب کچھ لے گئے۔

• اور بالآخر ایوان حکومت میں کثرت رائے سے یہ تجویز پاس ہوگی کہ غریبی ہٹانے میں زکوٰۃ اور اس کی طرح اسلام کا سارا نظام بری طرح ناکام رہا۔ لہٰذا کسی دوسرے ازم کی کوئی اسکیم عمل میں لائی جائے۔

اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومت کی مذکورہ بالا دونوں مثالوں سے بخوبی اندازہ ہوگا کہ اسلامی حکومت کی بجائے دوسری حکومت یا غیر اسلامی نظریے میں اسلامی احکام کی پیوندکاری سے نہ تو دوا کارگر ہوگی نہ ہی مرض کا ازالہ ہوگا۔

اسلامی نظام پیداوار کو بڑھاتا اور غریبی کو کم کرتا ہے۔

اسلامی نظام ملکی پیداوار میں افزائش اور فرد و ملت کی قوت میں اضافہ کا باعث ہے۔ یہ نظام افراد کی طاقت و محنت کی قدر کرتا ہے۔ دولت اور پیداوار کی حفاظت پر زور دیتا ہے۔ اور اسے برباد کرنے یا فضول اور لغو کاموں میں استعمال کرنے سے سختی سے منع کرتا ہے۔ اس نظام میں شراب و شباب، نشہ بازی اور فضول شب بیداری، لہو و لعب اور چھوٹے بڑے، پوشیدہ اور کھلے، غرض کسی قسم کے گناہ میں حصہ لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس سے امت کی توانائی برباد اور گناہ لازم آتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام پیروانِ اسلام کو مناسب ہدایات کے ساتھ پاکیزہ تربیت دیتا ہے تاکہ ان کے اندر صحت و سلامتی، نظافت اور پاکیزگی پیدا ہو اور وہ ہشاش بشاش اور چاک و چوبند ہو کر اپنے کام پر واپس ہوں، جی لگا کر محنت کریں اور زیادہ اور بہتر طریقے پر کام کو انجام دیں۔

اس تربیت کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس کے خوگر افراد جو صبح سویرے پاک و صاف باوضو ہو کر نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر کام پر آتے ہیں ان کی کارکردگی اور مزدوری کا تناسب ان سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو بے مہار اونٹ کی طرح آزاد ہوتے ہیں، جن کی راتیں ناچ رنگ

کی محفلوں اور رقص و سرود کے عشرت کدوں میں گذرتی ہیں۔ جو بڑی مشکل سے صبح جگائے ،
جانے پر افتاں و خیزاں بادل ناخواستہ اپنے کام پر آتے ہیں۔ ظاہر ہے پہلی قسم کے افراد کے
مقابلہ میں اس دوسرے گروہ کے کام کا معیار حد درجہ پست اور اس کے نتیجے میں پیداوار
کی رفتار کارکردگی کی طرح انتہائی سست ہوگی۔

یہ نظام اگر اس کے اصولوں کو من عن تسلیم کیا اور برتا گیا تو اس میں شک نہیں کہ ،
اس کی بدولت ایک طرف دولت میں افزائش اور روزگار میں فراوانی ہوگی اور دوسری
طرف فقر و ناداری سمٹ کر محدود ہوگی۔ اور اگر خوش قسمتی سے مالدار طبقہ اس نظام کا خوگر
بنا تو بلا شبہ غریبی کا علاج نہ صرف آسان ہوگا بلکہ عین ممکن ہے کہ اس مرض کا قصہ تمام ہوگا
اور مسلم سماج کے اس درجہ استحکام کے ہوتے ہوئے کسی فرد یا گروہ کو کسی قسم کی شورش یا سازش کا
موقع نہ ہوگا جیسا کہ غیر مسلم ملکوں میں آئے دن سوشلزم اور کمیونزم کی آڑ میں سورشیں برپا ہوتی
ہیں اور پر سکون ہنگامہ آرائی اور فتنہ و فساد کا اس طرح شکار ہوتا ہے کہ حق و ناحق میں امتیاز
اٹھ جاتا ہے اور نتیجہ میں ظلم و فساد سے بھرا ہوا ایسا نظام رونما ہوتا ہے جو اوپر سے غریبی
اور غریبوں سے ہمدردی کا لبادہ اوڑھے ہوتا ہے لیکن در پردہ پہلے سے زیادہ غریبی اور افلاس
کو جنم دیتا ہے۔ چنانچہ ان کی شر پسندی اور فتنہ سامانی کی اس سے بڑھکر دلیل اور کیا
ہوگی کہ پہلے سماج کا ایک محدود طبقہ غریب کہلاتا تھا اور اب ان کے طفیل پورا سماج اور
پورا ملک اس مرض کا شکار اور معاشی ابتری میں گرفتار ہو کر رہ جاتا ہے۔

<u>ناقابل شکست نظام</u>:- دراصل اسلامی نظام ناقابل شکست اور زنجیر کی کڑیوں
کی طرح ایک دوسرے سے مربوط ہے۔ دوسرے اقتصادی نظام کے مقابلہ میں اسلامی
نظام کو جو فوقیت اور برتری حاصل ہے اس کی چند وجوہات یہ ہیں کہ یہ نظام ہر فرد کو
جانفشانی کے ساتھ محنت مشقت کی دعوت دیتا ہے اس کی ذاتی ملکیت کو نہ صرف

تسلیم کرتا ہے بلکہ اس کی حفاظت بھی کرتا ہے تاکہ انسان اسے اپنے ہاتھوں پامال نہ کرے پھر اس کی تسلی کیلئے اس کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اس کی دولت کا حقدار اس کے ورثہ کو قرار دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی خوابیدہ صلاحیت بیدار ہوتی ہے۔ اور آدمی اپنے پیروں پر آپ کھڑا ہوتا ہے اس کا عزم مستحکم اور اس کا حوصلہ جوان ہوتا ہے۔ اس کی حلال اور پاکیزہ کمائی اس کے پاکیزہ ارادوں کی تکمیل میں ممد و معاون بنتی ہے اور اس کی ناداری اور تنگدستی کے ازالہ کا سبب بنتی ہے۔

پھر اسلام ایک فرد کی تربیت پر انحصار نہیں کرتے ہوئے دیگر افراد اور پورے سماج کو فراموش نہیں کرتا بلکہ اس کے درمیان عادلانہ استحکام اور توازن برقرار رکھتا ہے کسی حق دار کو اس کے حق سے محروم نہیں رکھتا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ دولت کی مسلسل گردش ہوتی ہے۔ اور ہر کوئی بلا کسی قسم کی کمی زیادتی کے اپنے جائز حقوق سے مستفید اور رعایتوں سے شادکام ہوتا ہے۔

اسلام کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ دولت پر اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے اس نے انسان کو اپنا نائب بنایا۔ دولت میں تصرف کا حق تفویض کیا۔ اور چونکہ مالک حقیقی باری تعالیٰ کی ذات ہے اسلئے اس کو حق ہے کہ وہ اس دولت پر انسان کے تصرفات کو اپنی مرضی اور پسند کا پابند بنائے۔ چنانچہ انسان کو اپنے زیر تصرف اشیاء پر ملکیت تو حاصل ہے لیکن یہ ملکیت آزاد اور بے لگام نہیں۔ اس پر دولت کے مالک حقیقی کی طرف سے جائز اور معقول ضابطے اور پابندیاں عائد ہیں۔ یہ مالک حقیقی بھی وہ ذات واحد ہے جو امیر و غریب سب کا پروردگار ہے۔ اپنے بندوں پر وہ اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے جتنی ایک ماں اپنے بچے پر مہربان ہوتی ہے۔ اور یہ اسی ہمہ داں اور ہمہ بیں ذات کا کرشمہ ہے کہ اس نے دولت کی حفاظت اس کی افزائش، اس کی مسلسل گردش اور اس کی صحیح تقسیم اور

خرچ کیلئے ایسے اصول اور ضابطے مقرر کیے جس میں ادنیٰ اعلیٰ، امیر غریب اور سماج کے ہر طبقہ کا مفاد مضمر ہے۔

یہ نظام اسراف وفضول خرچی کا سخت مخالف اور ایسا کرنے والوں کو، شیطان کا بھائی تصور کرتا ہے یہی نہیں بلکہ انھیں نادان اور نااہل قرار دیتا ہے۔ اور ان کے ہاتھ آنے والی دولت سے انہیں محروم کرتا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا (نساء: ۵)

اور کم عقلوں کو اپنا وہ مال حوالہ نہ کرو جس کو اللہ نے تمہارے لئے (معیشت) سہارا بنایا ہے۔

یہ نظام عشرت پسندی عیش کوشی اور بے جا نوش حالی کے مظاہر کو لمحہ بھر کیلئے گوارہ نہیں کرتا جس سے طبقہ واریت جنم لیتی ہے۔ اور سماج میں اونچ نیچ پیدا ہوتی ہے جہاں زردار پیٹ کا پجاری اور نادار نان جوین کو ترس جاتا ہے۔ جہاں مالداروں کی زبان پر یہ نعرہ ہوتا ہے کہ:

إنا بما أرسلتم به كافرون (سبا: ۳۴) جو چیز تم دیکر بھیجے گئے ہو ہم اسکے منکر ہیں۔

اور بالآخر اس اونچ نیچ اور نابرابری کا انجام یہ ہوتا ہے کہ پورا سماج عام انتشار اور پھر تباہی سے دوچار ہوتا ہے۔

واذا اردنا ان نهلك قرية أمرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا (اسراء: ۱۶)

اور جب ہمیں منظور ہوتا ہے کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو وہاں کے خوشحال لوگوں کو (اپنی فرمانبرداری) کا حکم دیتے ہیں۔ پس (جب) وہ اس بستی میں نافرمانی کرتے ہیں تو ہمارا عذاب ان پر ثابت ہو جاتا ہے پس ہم اسے بالکل برباد کر دیتے ہیں۔

اسی بنیاد پر یہ نظام سونے چاندی کے برتنوں اور زرق برق کپڑوں کے استعمال پر پابندی لگاتا ہے مجسمہ اور تعیش کے اسباب کو رکھنا برتنا اور تحفے تحائف میں دینا سبھوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ نیز اسلئے کہ ان کے استعمال سے گردنیں اکڑ جاتی ہیں اور دماغ آسمان پر پہنچ جاتا ہے اسی وجہ سے مردوں کو سونے کے زیور، اور ریشمی کپڑوں کا پہننا حرام ہے۔

یہ نظام ذخیرہ اندوزی اور سود خوری پر لعنت بھیجتا ہے۔ اسلئے کہ ان دو ستونوں پر سرمایہ داری کی حویلی تیار ہوتی ہے۔ جس سے مالدار زیادہ مالدار اور غریب زیادہ غریب ہوتے جاتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاعلان فرمایا کہ "جس نے ۴۰ چالیس دن اناج کی ذخیرہ اندوزی کی وہ خدا سے بے تعلق اور خدا اس سے بری ہو جاتا ہے۔"

(احمد، حاکم، ابن ابی شیبہ، براز)

یہ نظام سود لینے اور دینے والوں کے خلاف خدا اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان کرتا ہے۔ تا آنکہ وہ توبہ نہ کریں۔ اس صورت میں انھیں اصل سرمایا بلا کم و کاست حاصل ہوگا۔ نہ ان کے ساتھ زیادتی ہوگی نہ انھیں کسی کے ساتھ زیادتی کرنے کا حق ہوگا سود خوری اور ذخیرہ اندوزی اسلئے بھی سخت ناپسندیدہ ہے کہ سرمایہ دار اس طرح غریبوں کا خون چوس کر مالدار بنتا ہے۔ اور غریب اور زیادہ غریب، ہوتے جاتے ہیں۔

یہ نظام سونے چاندی کو جوڑ جوڑ کر رکھنے کا مخالف ہے اور انھیں سخت عذاب سے ڈراتا ہے۔ اور بقدر نصاب سرمایے پر زکوٰۃ واجب کرتا ہے خواہ مالک اس کی افزائش کی فکر کرے یا یونہی پڑا رہنے دے، یہ نظام سرمائے کے استعمال اور جائز کاروبار میں اسے لگانے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اسلئے کہ یہ نہ ہو تو اس کی گردش

رک جاتی ہے اور وہ یونہی بیکار پڑا رہ جاتا ہے یا ہر سال محض اس کی زکوٰۃ نکلتی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ یتیموں کے سرپرست اور ان کے ذمہ داروں کو تاکید کی جاتی ہے کہ جہاں
تک ہو سکے حسن تدبیر کے ساتھ مال کی افزائش سے غافل نہ رہیں۔

لین دین کی تمام قسمیں خواہ ان کا تعلق خرید و فروخت یا شرکت و مضاربت
سے ہو یا آجر و مستاجر اور مالک و مزدور سے ان میں سے ہر ایک کیلئے اسلام کے اپنے وضع
کئے ہوئے قانون ہیں جن سے حقوق بحال ہوتے ہیں انسانی رشتے استوار ہوتے ہیں۔
اور کوئی فرد یا گروپ کسی دوسرے پر نہ ظلم و زیادتی کر سکتا ہے نہ اس کے حقوق میں کسی
قسم کی کمی کر سکتا ہے۔

اسلام میں غریب طبقہ کا وجود نہیں:۔ اسلام اپنے اصول اور ضابطے اور اپنے دستور اور نصب العین کے ذریعہ فقر و ناداری کی بیخ کنی کرتا ہے۔ ایک سے
زائد تدابیر کے ذریعے اس کی کوشش کرتا ہے کہ غریبوں کی غریبی کا خاتمہ ہو اور دوسروں
کی طرح یہ بھی آسودہ اور بے نیاز ہوں، لیکن تمام کوشش اور کاوش کے باوجود اگر کوئی
فرد یا گروہ غریب رہا تو اسلام کی نظر میں انھیں کسی صورت غریب طبقہ کے نام سے یاد
نہیں کیا جا سکتا۔ اسلئے کہ "طبقیت" ایک قسم کی گروہ بندی کا نام ہے جو قانون اور
رواج کے سہارے قائم اور نسل در نسل اس کا سلسلہ برقرار رہتا ہے لیکن جہاں تک
غریبی کا تعلق ہے اسلامی دستور اور اسلامی ماحول غریبی کو خاندانی اثرات کی
شکل میں فرد واحد یا سماج پر مسلط نہیں کرتا۔ نہ یہ پسند کرتا ہے کہ خاندانوں میں پشت
در پشت عزبت اور افلاس باقی رہے۔ اسلام کی نظر میں عزبت راسخ یا اٹل نہیں دھوپ
چھاؤں اور آنی جانی ہے۔ کبھی اس کا وجود ہوتا ہے کبھی یہ اوجھل ہو جاتی ہے۔ اور
کبھی یکسر ناپید ہو جاتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں مفلس اور غریب کسی گروہ

کی شکل میں برقرار نہیں رہ سکتے، اس لئے کہ اگر آج کوئی غریب ہے تو کل صاحب ثروت اور مال دار بھی بن سکتا ہے۔ کیونکہ عزم و حوصلہ کا اظہار اور حدود میں رہکر جستجو اور محنت کا استعمال ہر کوئی کر سکتا ہے۔ یہ دروازہ کسی کیلئے بند نہیں ہے۔

ان یکونوا فقراء یغنیھم اللہ من فضلہٖ (نور: ۳۲) — اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے خوشحال کر دیگا۔

سیجعل اللہ بعد عسر یسرا (طلاق: ۷) — اللہ عنقریب تنگی کے بعد کشائش بخشے گا۔

عزت نفس کی حفاظت جہاں تک اسلامی معاشرے کا تعلق ہے۔ کوئی غریب اسلئے پست اور ذلیل و حقیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ نہ ہی اپنے جائز حقوق سے محروم کیا جا سکتا ہے کہ وہ تہی دست اور مفلس ہے۔ بلکہ اسلامی نظام مسلم سماج خصوصاً غریبوں کو یاد دلاتا ہے کہ اصل دولت سونا چاندی نہیں، دھن دولت، کھیت اور جائیداد سب کچھ نہیں بلکہ اصل دولت ایمان و یقین، تقویٰ و عمل صالح، اور علم و معرفت کا حصول ہے۔ جسے پانے والا سب سے بڑا مالدار اور جسے کھونے والا سب سے بڑا قلاش اور نادار ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (حجرات) — بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم سب میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون (زمر/۹) — بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات (مجادلہ ۱۱) — جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جو اہل علم ہیں اللہ انکے درجے بلند کرے گا۔

وما یستوی الاعمیٰ والبصیر والذین آمنوا وعملوا الصلحٰت ولا المسی (غافر: ۵۸) | اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔ اور نہ ایمان والے نیکوکار اور نہ بدکار برابر ہیں

جاہ و ثروت اور مال و دولت سے قدر و قامت کی پیمائش اسلام کی نظر میں ٹھیٹ جاہلی پیمانہ ہے۔ دورِ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ انسان اخلاقِ فاضلہ اور اپنی اندرونی اعلیٰ خصوصیات سے نہیں، اپنی دولت اور سماج میں اپنی جھوٹی وجاہت اور عزت سے مقبول ہوتا تھا۔

فقیمة رب الألف ألف وزد تزد | وقیمة رب الدرھم الفرد درھم

لکھ پتی کی عزت لاکھوں کے برابر، اور اس سے زیادہ کی اس سے زیادہ! | اور جو پھوٹی کوڑی والا ہے اس کی عزت بھی پھوٹی کوڑی کے برابر۔

یہی وجہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان کیا تو جاہل عربوں نے الزام لگایا کہ وحی اتری تھی تو مکہ کے ولید بن مغیرہ قریشی، یا طائف کے عروہ بن مسعود ثقفی پر اتری تھی، جو بڑے دولت مند اور اپنی قوم کے رئیس ہیں

وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم (زخرف ۳۱) | اور انھوں نے کہا کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا۔

قدر و قیمت کے اس جھوٹے پیمانے کو اسلام نے سب سے پہلے پاش پاش کیا۔ اور اس حقیقت کا اعلان کیا کہ انسان کی عزت اس کے تن و توش اس کے ڈیل ڈول، کپڑوں کی سج دھج، یا اس کی ڈھیروں دولت میں نہیں بلکہ اس کی عظمت کا حقیقی معیار اس کی ایمانی طاقت، اس کے علم و فضل اور اس کے کردار

کی بلندی میں ہے ۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں فرمایا :۔

رب اشعث أغبر ذی طمرین لا یؤبہ لہ لوأقسم علی اللہ لأبرہ ؎	بہت سے غبار آلود بوسیدہ کپڑے اور پراگندہ بال والے ایسے ہوتے ہیں جنھیں کوئی پناہ نہ دے لیکن یہی لوگ خدا پر اعتماد کرتے ہوئے کوئی قسم کھا بیٹھیں تو باری تعالیٰ ان کی قسم پوری فرماتا ہے ۔

اس کے بالمقابل آپ نے فرمایا :۔

یاتی الرجل العظیم السمین یوم القیمۃ فلا یزن عند اللہ جناح بعوضۃ واقرؤوا ان شئتم ۔	قیامت کے دن نامی گرامی اور بھاری بھرکم آدمی خدا کے سامنے اس طرح پیش ہوگا کہ اللہ کے نزدیک اس کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگی ۔ جو چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو ،
"فلا نقیم لھم یوم القیمۃ وزنا"	" ان کے اعمال کا ذرا بھی وزن ہم قائم نہ کریں گے ۔

(بخاری) ـــ (کہف ۱۰۵)

<u>عزیبی کا خاتمہ</u> :۔ موجودہ ترقی یافتہ زمانہ نظیر کے بغیر کوئی نظریہ تسلیم نہیں کرتا

؎ ـــ (یہ روایت باختلاف الفاظ ذیل کے مطابق منقول ہے ۔)

.... مدفوعًا بالابواب ... (احمد ، مسلم) ... دروازوں سے دھکے دیکر نکالے گئے ایسے ہوتے ہیں ـــ ....

.... تنبو عنہ أعین الناس .... (حاکم ، ابونعیم) ... جن پر لوگوں کی نگاہیں نہ پڑیں ....

رب ذی طمرین لا یؤبہ لہ .... (بزاز) .... جنھیں کوئی پناہ نہ دے ....

سیوطی نے اس روایت کے صحیح ہونے کی صراحت کی ہے ۔

اسلئے ذیل میں چند ایسے تاریخی واقعات پیش کئے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ افلاس وناداری کے خلاف اسلامی نظام کی فتح ایک زندہ حقیقت ہے اور عجیب بات ہے کہ اس فتح کی پیشین گوئی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کی تھی، جبکہ ان کے وقوع پذیر ہونے کی موہوم سی امید بھی نہ تھی، درحقیقت وحیِ الٰہی کے ذریعہ آپ کو بہت پہلے سے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ لوگوں نے اگر اسلامی ہدایات کی ہو بہو پیروی کی تو اس کے نتیجے میں کس قسم کے اثرات مرتب ہوں گے اور خیر و برکت کے کن چشموں سے وہ سیراب ہوں گے؟

امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اتنے میں دو آدمی حاضر خدمت ہوئے، ایک کو افلاس کی شکایت تھی، اور دوسرا اگرچہ مالدار تھا، اور کہیں مال واسباب لے جانا چاہتا تھا، لیکن راستہ میں امن وامان نہ تھا۔ اس لئے راستہ بند ہونے کا شاکی تھا راستہ بند ہو جانے کا جواب دیتے ہوئے آپ نے حضرت عدی سے فرمایا، عدی! کبھی تم حیرہ گئے ہو۔ (جو عراق کا قدیم شہر ہے) عدیؓ نے عرض کیا۔ حضور! خود تو نہیں گیا۔ ہاں لوگوں سے سنا ہوں، آپ نے فرمایا عدی! اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ سے سفر کرتی ہوئی خانہ کعبہ کے طواف کے لئے آئیگی اور اسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔

حضرت عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں سوچا۔ کہ قبیلہ طے کے ڈاکوؤں کا اس وقت صفایا ہو گیا ہوگا، جن سے سارا عرب عاجز ہے۔ (یعنی حضرت عدی کو اس وقت بہت حیرت ہوئی، کہ آئندہ چل کر امن وامان کا اس قدر دو

کیونکر ہوگا ؟ جبکہ انھیں اپنے قبیلے کے رہزنوں کا حال اچھی طرح معلوم تھا، جن سے ہر کوئی پریشان تھا) ابھی حضرت عدی کی سابقہ حیرت برقرار تھی کہ آپ نے فرمایا، رہی محتاجی! تو تمھاری عمر اگر دراز ہوئی تو ایک وقت آئے گا کہ کسریٰ کے خزانے تمہارے ہاتھ آئیں گے! حضرت عدی کہتے ہیں کہ مجھے پھر بڑی حیرت ہوئی، اور میں نے عرض کیا، حضور کیا کسریٰ بن ہرمز کے خزانے؟ آپ نے فرمایا، ہاں کسریٰ بن ہرمز کے خزانے اور اگر زندگی نے تمہارے ساتھ وفا کیا تو تم دیکھو گے کہ ایک وقت آئیگا جب آدمی خیرات کا مال لئے پھرے گا۔ اور لینے والا نہیں ملے گا۔

حضرت عدی بالآخر مسلمان ہوئے، اور ایک اچھے مسلمان ثابت ہوئے پھر وہ وقت آیا جب انھوں نے پہلی پیشین گوئی اپنی آنکھوں سے پوری ہوتے ہوئے دیکھی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عورت حیرہ سے سفر کرتی ہوئی خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے لئے آتی ہے، اور اسے خوف خدا کے سوا دوسرا کوئی خوف دامن گیر نہیں ہوگا۔

اسی طرح کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ حاصل کرنے والوں میں میں بھی شریک تھا اور آپ کا یہ دوسرا ارشاد بھی پورا ہوا۔

پھر حضرت عدی بڑی حسرت کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ ہو سکتا ہے میری آنکھیں وہ منظر نہ دیکھ سکیں، لیکن اگر تمہاری زندگی نے وفا کیا، تو تم ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری پیشین گوئی بھی دیکھ لوگے، کہ آدمی خیرات کا مال لئے پھرے گا اور کوئی لینے والا نہ ملیگا۔ (یعنی دولت کی فراوانی کی وجہ سے تلاش کے باوجود غریب کہیں نظر نہ آئیں گے) (عمدۃ القاری ص ۱۳۴ ج ۱۶)

ادھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے جو یہ فرمایا کہ:۔

"اگر زندگی نے تمہارے ساتھ وفا کیا تو تم دیکھو گے کہ ایک وقت آئے گا جب آدمی خیرات کا مال لئے پھرے گا، اور لینے والا نہیں ملے گا"۔۔۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ عنقریب یہ واقعہ پیش آئے گا، اور صحابہ میں جن کی عمریں دراز ہوں گی وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں گے۔ تاریخ شاہد ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانے میں اس قسم کے واقعات پیش آئے جس کی تفصیل ہم آئندہ ذکر کریں گے۔

یہ اور اس قسم کی بیشتر روایتیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت منقول ہیں، جن میں آپ نے پہلے سے یہ اطلاع فرمادی تھی کہ ایک وقت آئے گا جب دولت کا زبردست سیلاب آئے گا امت پر امنڈ آئے گا، اور اس کے نتیجہ میں نہ غریب رہیں گے اور نہ زکوٰۃ پر اپنا حق جتلانے والا کوئی باقی رہے گا، اس بارے میں شک وشبہ کی ذرہ برابر گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ اس اعتماد کے ساتھ اس قدر سچی پیشین گوئی بھی نبی معصوم ہی دے سکتا ہے۔ جس کی زبان سے صادر ہونے والے الفاظ اس کی آواز نہیں خدا کی آواز ہوتے ہیں۔ اس پیشین گوئی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غریبی ایسا مرض نہیں جس کا علاج ناممکن ہو، حالانکہ تورات اپنا یہ فیصلہ سنا چکی ہے کہ:۔

"غریبی ازل سے ہے، ابد تک رہے گی، اور غریب دنیا سے کبھی ختم نہ ہوں گے"

(تورات، تثنیہ، ۱۵۔ ۱۰۔ ۱۱)

ذیل میں مسلم سماج سے غربت کے ازالے سے متعلق چند صراحتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

امام بخاری اور دیگر محدثین حضرت حارثہ بن وہب خزاعی سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ فرماتے تھے۔۔۔ لوگو!

(آج موقعہ ہے) خیرات کرلو، اس لئے کہ ایک وقت آئے گا، جب آدمی زکوٰۃ اور خیرات کی رقم لے کر گھومتا پھرے گا، لیکن کوئی لینے والا نہ ملے گا۔ (تلاش بسیار کے بعد کوئی ملے گا تو) کہے گا، کل لائے ہوتے تو میں قبول کرلیتا، آج مجھے ضرورت نہیں ہے (فتح الباری ج۳ ص۱۸۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت اس وقت تک نہ آئے گی، جب تک کہ لوگوں میں مال و دولت کی فراوانی نہ ہوگی، گویا دھن دولت کا سیلاب آگیا ہوگا، آدمی چاہے گا کہ کوئی خیرات قبول کرنے والا مل جائے، لیکن وہ جس کے سامنے پیش کرے گا، جواب میں وہ یہی کہے گا کہ "(آج تو) مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے"!

(فتح الباری ج۳ ص۱۸۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

"ایک وقت آئے گا جب آدمی زکوٰۃ خیرات دینے کے لئے سونا لے کر ادھر ادھر گھومتا پھرے گا، لیکن کوئی اسے لینے والا نہ ملے گا" (فتح الباری ج۳ ص۱۸۱)۔

اور پھر وہ وقت آ ہی گیا جب مسلمان خوش حال اور آسودہ حال ہوئے دولت کی ریل پیل بڑھی، اور مسلمانوں میں ایسا کوئی آدمی نہ رہا جو خیرات کا مستحق ہو، یہ اس وقت ہوا جب دستور نبوت کے مطابق خلافت راشدہ کے طرز پر ایک حکومت قائم ہوئی، اور اس کو حد درجہ استحکام نصیب ہوا۔ یہ زمانہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا۔ جیسا کہ امام بیہقیؒ نے حضرت عمر بن اسید (ابن عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب) سے نقل کیا ہے۔

چنانچہ انھوں نے دلائل میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (متوفیٰ سنہ۱۰۱ھ) نے صرف ڈھائی برس خلافت کی۔ لیکن اسی مختصر زمانے میں یہ حالت ہوگئی کہ لوگ ان کے تحصیلداروں کے پاس بکثرت مال لیکر آتے تھے، اور کہتے تھے، غریبوں کو دیدو! لیکن ان کو مال واپس لے جانا پڑتا تھا۔ کیونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے تمام لوگوں کو اس قدر مالا مال کر دیا تھا، کہ کوئی شخص اس قابل نہیں ملتا تھا کہ اس کو یہ مال دیا جائے۔ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام بیہقی لکھتے ہیں، اس سے حضرت عدیؓ ابن حاتم رضی اللہ عنہ کی بیان کی روایت کی تصدیق ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ص۱۳۵ ج۱۲)

یحییٰ بن سعید کا بیان ہے کہ مجھکو حضرت عمر بن عبد العزیز نے افریقہ کا صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا، میں نے صدقہ وصول کر کے غریبوں کو بلایا۔ تاکہ ان میں تقسیم کردوں لیکن مجھ کو کوئی فقیر نہیں ملا، کیونکہ عمر بن عبد العزیز نے لوگوں کو مالدار بنا دیا تھا۔ اس لئے میں نے صدقہ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کر دیئے۔ (سیرۃ عمر بن عبد العزیز ابن عبد الحکیم ص۵۹)

تاریخ شاہد ہے کہ یہ فارغ البالی اور آسودگی، ـــ جس کا ذکر حضرت یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ـــ محض افریقہ اور اس کے علاقوں تک محدود نہیں تھی، بلکہ تاریخی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں کل ملت اسلامیہ اور مسلم ملکوں میں اسی قسم کی خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔

ابو عبید کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے عبد الحمید بن عبد الرحمٰن والی عراق کو لکھا امدادی رقوم اور وظائف لوگوں میں تقسیم کرادو! عبد الحمید نے جواب میں لکھا (بحمد اللہ) اس کی تعمیل ہو چکی، پھر بھی کچھ نقد رقوم بیت المال میں جمع ہیں، (اور اس کے

بارے میں آنجناب کے حکم کا انتظار ہے) جواب میں آپ نے لکھا، باقیماندہ رقم سے قرضداروں کے قرض اداکرادو۔ حاکم نے جواب میں لکھا، اس کی بھی تعمیل ہوچکی ہے اور رقم بچ رہی ہے۔ آپ نے سہ بارہ لکھا، اگر کوئی شادی کا خواہشمند ہو تو اس کے لئے مہر اور دیگر اخراجات کا انتظام کردو۔ حاکم نے لکھا اس کی بھی تعمیل ہوچکی ہے آپ نے پھر لکھا جن غیر مسلموں سے خراج وصول کیا گیا، انھیں بیت المال سے اس کی دوگنی مقدار رقم بطور قرض دے دو۔ تاکہ اس کے ذریعہ زیادہ اور بہتر پیداوار انھیں حاصل ہوتی رہے، اور انھیں جتلادو کہ قرض وصول کرنے میں کوئی عجلت نہیں کی جائیگی۔

خوشحالی اور فارغ البالی کی یہ ہلکی سی ایک جھلک تھی، جو تمام تر اسلامی عدل ومساوات کا نتیجہ تھی، جس کا ادنیٰ کرشمہ یہ تھا کہ بار بار کی تلاش وجستجو کے بعد بھی پورے ملک میں کوئی حاجت مند نہ رہا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہر ضرورت مند کو اس کی ضرورت بلاظلم وجور، اور بغیر طلب وجستجو اس تک پہنچادی گئی، اس نظام کی بدولت بیت المال سے قرضخواہوں کے قرضے بیباق ہوئے، شادی کی خواہش رکھنے والوں کی مرادیں برآئیں، اور جب پوری مملکت میں کوئی حاجت مند نہ رہا تو امیرالمومنین نے غریب کسانوں اور کاشتکاروں کو طویل المیعاد قرض دلوائے، تاکہ پیداوار میں اضافہ ہو، اور خلق خدا کو فائدہ پہنچے، حیرت کا مقام ہے کہ آپ نے یہ اسکیم ایسے وقت میں چلائی، جس کے ٹھیک تیرہ سو سال بعد، کہیں دنیا بنک کاری اور اس کے نظام سے واقف ہوئی۔

درحقیقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ اچھی پیداوار سے تنہا کاشتکاروں کا مفاد وابستہ نہیں، بلکہ اس کے اندر حکومت اور عوام سب کا مفاد مضمر ہے، لہذا اس مقصد کے حصول کے لئے کسانوں اور مزدوروں کی

ہر ممکنہ امداد حکومتوں کا اولین فرض ہے ۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا زمانہ اسلامی تاریخ کا عہد زریں کہلانے کا مستحق ہے۔ آپ کے زمانے میں جہاں عدل وانصاف اور امن ومساوات کا دور دورہ تھا، رعایا اس قدر خوشحال اور آسودہ تھی کہ معلوم ہوتا تھا، آسمان سے رزق کے دہانے کھل گئے ہیں، اور زمین بھی اپنا سارا خزانہ اگل کر رکھ دے گی ۔

اس وقت کے سکھ چین کا کچھ اندازہ والی بصرہ کی ایک تحریر سے ہوتا ہے، جس میں انھوں نے حضرت عمر کو لکھا تھا ۔

رعیت کی خوش حالی اور آسودگی دیکھ کر یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ان کے اندر غرور اور نخوت نہ پیدا ہو جائے ۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے جواب میں لکھا ۔

حساب کتاب کے بعد جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائینگے اور باری تعالیٰ جنتیوں سے اپنی خوشنودی کا اظہار کریں گے ۔(اور ظاہر ہے یہ جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے) تو تمام جنتی بیساختہ پکار اٹھیں گے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا "۔ (زمر ۷۴)

(جس طرح جنتی، جنت کی لامحدود آسودگی اور سب سے بڑی خوشی پا کر بیساختہ خدا کا شکریہ ادا کریں گے،) تم اپنے ماتحتوں کو اسی کی تلقین کرو، اور انھیں تعلیم دو کہ وہ ان نعمتوں کی قدر کریں ۔ اور اپنے رب کا شکریہ ادا کریں ۔ (سیرۃ ابن عبد الحکیم ص۱۰۷)

ان معدودے چند واقعات کا تعلق حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور خلافت سے ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز سے پہلے خلیفہ

دوم حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں اسلامی حکومت کا دائرہ جن ملکوں تک وسیع ہوا، ہر جگہ خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ اسلامی معاشیات کے ماہر ابو عبید لکھتے ہیں :۔

حضرت معاذ بن جبل حضرت عمر بن خطاب کے دور خلافت میں بھی یمن کے گورنر تھے۔ ایک سال معاذ نے یمن کی تہائی زکوٰۃ دربار خلافت میں روانہ فرمائی، حضرت عمر کو سخت ناگوار ہوا۔ آپ نے انھیں خط لکھا "تمہارا کام محصول وصول کرنا نہیں ہے، اس لئے آئندہ جہاں سے زکوٰۃ وصول کرو، وہیں خرچ کرو" حضرت معاذ نے جواب میں تحریر فرمایا، چونکہ یمن میں ایسا کوئی شخص نہ تھا، جسے زکوٰۃ دی جائے اس لئے رقم آپ کے پاس روانہ کردی گئی ہے۔ اتفاق سے حضرت معاذ نے آئندہ سال دگنی اور اس کے بعد والے سال میں سہ گنی رقم ارسال فرمائی، اور جب حضرت عمر نے حسب سابق تنبیہ فرمائی۔ تو آپ نے جواب میں وہی عذر پیش کر دیا۔ کہ یہاں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں۔ میں کیا کروں ؟ (الاموال ص۵۹۶)

سبحان اللہ ! وہ زمانہ بھی کیسا خیر و برکت کا زمانہ تھا، جب ادنیٰ شہری سے لیکر حاکم وقت تک خوف خدا سے سرشار اور اسلامی تعلیمات پر جان و دل سے نثار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ زمین و آسمان کی برکتوں سے وہ مستفید ہوتے تھے، اور دنیا میں رہکر وہ جنت کے مزے لیتے تھے،

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ہم اس دور کے ان زریں واقعات کو پڑھتے ہیں۔ اور یوں ہی آگے بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن ان کی اہمیت اور ندرت کو مطلق محسوس نہیں کرتے جبکہ اقوام عالم کے سامنے ہم اپنے ان اسلاف کو پیش کر سکتے ہیں اور یہ بطور چیلنج دنیا والوں سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ کیا تاریخ عالم دنیا کے اسٹیج پر، کہیں اور کسی زمانے میں جہاں

اور حکمرانی کا ایسا ایک نمونہ بھی دکھا سکتی ہے؟ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے یا بعد میں ایسا بھی کوئی حاکم گزرا جس نے اپنے ماتحتوں کو یہ ممانعتی حکم بھیجا ہو کہ وہ مرکز میں روپیہ نہ بھیجیں؟ کیا آج تک کسی گورنر نے اپنے ماتحت آفیسران کو یہ ہدایت بھی دی ہے کہ اور بادشاہوں کی طرح انھیں جزیہ اور خراج کی جبری وصولی کے لئے نہیں بھیجا گیا ان کا کام تو بس یہ ہے کہ جہاں سے روپیہ وصول کریں وہیں غریبوں میں تقسیم کردیں اور خود تہی دست اپنے مستقر پر لوٹ آئیں؟ کیا آج حضرت معاذ بن جبل کی نظیر، یا آپ کی سیرت کا عشر عشیر بھی پیش کیا جاسکتا ہے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بار بار اس امر کی یقین دہانی کر رہے تھے کہ ان کی زیر نگیں رعیت کو زکوٰۃ یا اس قبیل کی کسی امداد چنداں کی حاجت نہیں، لہٰذا مرکز اس رقم کو قبول کرے؟ ظاہر ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس یقین پر خود کو اس لئے مجبور پاتے تھے کہ انھوں نے بہ نفس نفیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ جس جگہ کے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کی جائے اسی جگہ کے غریبوں میں تقسیم بھی کردی جائے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ مسلمان خواہ دنیا میں کہیں آباد ہوں۔ ان کی حیثیت جسد واحد کی سی ہے، اگر کسی علاقے کے مسلمان خوشحال اور آسودہ ہیں، اور ان کو زکوٰۃ لینے کی چنداں حاجت نہیں، تو وہاں سے زکوٰۃ کی رقم ایسی جگہ منتقل کردی جائے گی جہاں اس کی ضرورت ہے۔ اور اگر خوش قسمتی سے قرب وجوار کی بستیاں بھی آسودہ ہوں تو پھر مرکز میں ان رقوم کی بہم رسانی، اور وہاں سے ان کی مناسب تقسیم میں مضائقہ نہیں۔

اوپر پیش کیے گئے یہ تاریخی واقعات مخالفین اسلام کے اس جھوٹ کا پردہ بھی فاش کرتے ہیں کہ "اسلام کا نظام زکوٰۃ" اس کی جانب سے شکست کا اعلان ہے اسلام

کھل کر اس کا اعتراف کرتا ہے۔ کہ غریبی لاعلاج مرض ہے۔ اور مسلمانوں میں یہ مرض سدا قائم اور باقی رہے گا۔"

بہرکیف یہ اسلامی نظام کے فیوض و برکات کی ایک جھلک تھی، تاریخ شاھد ہے کہ جہاں کہیں اس نظام کا قیام عمل میں آیا، وہاں ایسے ہی زبردست انقلاب رونما ہوئے، اور اس ملک کی کایا پلٹ گئی، لیکن بعد کے مسلم ملکوں کی اس بدنصیبی کو کیا کیا جائے؟ کہ انھوں نے اس نظام کو مطلق اہمیت نہ دی اور نتیجے میں اس کی برکتوں سے محروم رہے! (فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی)

آخر میں ہم ایک بار پھر عرض کریں گے، کہ اسلام کے نزدیک غریبی محض ایک سماجی روگ ہے لیکن ایسا روگ بھی نہیں، جس سے پیچھا چھڑانا سخت دشوار ہو، بلکہ جس طرح عام جسمانی امراض کا علاج مناسب تدابیر سے ہو جاتا ہے، اس کا علاج بھی ممکن ہے، لیکن ہماری نظر میں اس کی مناسب تدبیر بس یہی ہے کہ لوگ اسلامی تعلیمات کو اپنائیں، اس کی سفارشات کو من و عن تسلیم کریں اور اس پر سختی سے عمل کریں۔

اور پھر خدا نے چاہا تو وہ وقت آئے گا، جب غریبی اور افلاس کے سوتے خشک ہوں گے، عام خوشحالی اور فارغ البالی کے چشمے پھوٹ پڑیں گے۔ اور پورے انسانی سماج میں ایسا کوئی فرد نہ ہوگا، جو بجا طور پر زکوٰۃ خیرات کا مستحق خود کو ثابت کرے گا، (وَلَیْسَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ)

تب خدا نے چاہا تو زکوٰۃ کی رقوم زکوٰۃ کے دیگر مصارف میں خرچ ہوگی، جس کا ذکر قرآن پاک نے تفصیل سے کیا ہے۔ جیسے، (والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین) وغیرہ

امام الائمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ

انوارِ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مصنف

حضرت علامہ مولانا الحاج

محمد منشا تابش قصوری مدظلہ العالی

علمی پبلشرز

زبیدہ سنٹر 40-اردو بازار لاہور

موجودہ صدی کی عظیم ترین ہستی کو خراج تحسین

امیر اہلسنت

امیر دعوت اسلامی دامت برکاتہم العالیہ کی خدمات

مصنف

حافظ محمد وسیم شرف قادری

علمی پبلشرز
اردو بازار لاہور